تیسیر مصطلح الحدیث (اردو)
www.KitaboSunnat.com
ڈاکٹر محمود الطحان
مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ڈاکٹر محمود الطحان

ترجمہ:
مولانا عبدالرشید تونسوی

نظرثانی:
محمد اسحاق بھٹی

ناشر ــــــــــــــــــــ ابوبکر قدوسی

اشاعت دوم ــــــــــــــــــــ فروری 1999

مطبع ــــــــــــــــــــ
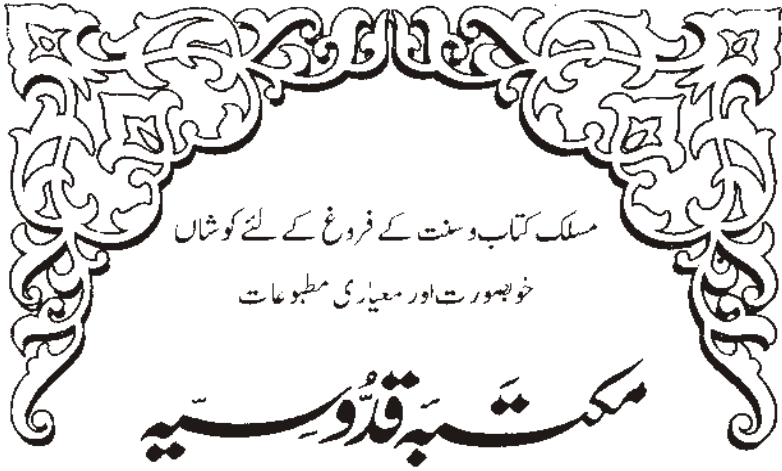
قیمت ــــــــــــــــــــ =/۹۰ روپے

MAKTABA QUDDUSIA

REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE-PAKISTAN.Ph: 7351124-7230585
Fax: 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے جس نے قرآنِ کریم نازل فرما کر مُسلمانوں پر احسان کیا اور قیامت کے دن تک سینوں اور کتابوں میں اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اس کی حفاظت کے تتمہ کے طور پر سید المرسلین (ﷺ) کی سنت (احادیث) کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا۔

درود و سلام ہمارے آقا اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم سے جو چاہا اس کا بیان ان کے سپرد کر دیا جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ (سورۃ النحل : ۴۴)

"اور ہم نے آپؐ کی طرف ذکر (قرآنِ مجید) نازل کیا تاکہ آپؐ لوگوں کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ لوگ فکر کریں۔"

واضح اور روشن اسلوب کے ساتھ آپؐ اپنے افعال' اقوال اور تقریرات کے ذریعے اسے بیان کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

ہم راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ راضی ہو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے احادیثِ نبویہ کو حاصل کیا اور انہیں محفوظ کیا اور تحریف و تبدیلی کے عیوب سے پاک ان احادیث کو اس طرح بیان کیا جیسے سنا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بخشش ہو ان سلف صالحین کے لیے جنہوں نے سنت مطہرہ (احادیثِ مطہرہ) کو نسل در نسل (زمانہ در زمانہ یا گروہ در گروہ) نقل کیا اور داعیان باطل کی تحریف سے احادیث کو محفوظ رکھنے اور اس کی نقل و روایت کو سلامت رکھنے کے لیے عمدہ اور عمیق قواعد و ضوابط وضع کیے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان متاخرین مُسلمان علما کو جنہوں نے سنت کی روایت کے

اور پھر اس کی اقسام بیان ہوں، علی ھذا القیاس۔ آخر میں اس بارے میں مشہور تصانیف پر گفتگو کی جائے۔ اس کی عبارت آسان ہو اور ایسا واضح علمی اسلوب ہو جس میں کوئی دشواری یا تعمق نہ ہو۔ اور چونکہ كلية الشريعة اور دراسات اسلامیہ میں اس عِلم کے لیے مختص اوقات اور پیریڈ بہت کم ہیں اس لیے ان کی رعایت رکھتے ہوئے میں نے بہت سے مسائل میں اختلافات یا مختلف اقوال اور تفاصیل کی طرف توجہ نہیں دی، اور میں نے اس کا نام "تیسیر مصطلح الحدیث" رکھا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب اس فن پر موجود متقدمین علما کی کتب سے مستغنی کر دے گی بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ یہ ان کی چابی اور کلید بن جائے اور ان میں موجود مواد کے لیے ایک مذاکرہ بن جائے اور ان کے معانی کو سمجھنے کا ذریعہ ہو اور متقدمین علما کی کتب اس فن میں علما کے لیے مراجع ثابت ہوں اور ایسا فیاض چشمہ ثابت ہوں جس سے وہ خوب سیراب ہو سکیں۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آخری زمانوں میں بعض محققین کی ایسی کتب بھی سامنے آئی ہیں جو بڑے شاندار فوائد پر مشتمل ہیں، خاص طور پر ان میں مستشرقین اور منحرفین کے شبہات کی تردید کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے بعض کتب تو بہت زیادہ مفصل ہیں، جب کہ بعض بڑی مختصر ہیں اور بعض اِس عِلم کو محیط ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میری یہ کتاب تفصیل اور اختصار کے درمیان متوسط کتاب ہو اور تمام بحثوں کا احاطہ کرے۔

میری اِس کتاب کا جدید اہتمام اور کوشش

1. **تقسیم :** ہر بحث کی مضبوط اور مرقوم کلام میں تقسیم، تاکہ طالب عِلم پر اِس کا سمجھنا آسان ہو۔
2. **تکامل :** ہر بحث کو تعریف اور مثال وغیرہ ذکر کر کے عام فہم شکل میں مکمل کرنا۔
3. **استیعاب :** مختصر طور پر اِس فن کی تمام بحثوں کا احاطہ کرنا۔

اور پھر اس کی اقسام بیان ہوں، علی ھذا القیاس۔ آخر میں اس بارے میں مشہور تصانیف پر گفتگو کی جائے۔ اس کی عبارت آسان ہو اور ایسا واضح علمی اسلوب ہو جس میں کوئی دشواری یا تعمق نہ ہو۔ اور چونکہ کلیۃ الشریعۃ اور دراسات اسلامیہ میں اس علم کے لیے مختص اوقات اور پیریڈ بہت کم ہیں اس لیے ان کی رعایت رکھتے ہوئے میں نے بہت سے مسائل میں اختلافات یا مختلف اقوال اور تفاصیل کی طرف توجہ نہیں دی، اور میں نے اس کا نام "تیسیر مصطلح الحدیث" رکھا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب اس فن پر موجود متقدمین علما کی کتب سے مستغنی کر دے گی بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ یہ ان کی چابی اور کلید بن جائے اور ان میں موجود مواد کے لیے ایک مذاکرہ بن جائے اور ان کے معانی کو سمجھنے کا ذریعہ ہو اور متقدمین علما کی کتب اس فن میں علما کے لیے مراجع ثابت ہوں اور ایسا فیاض چشمہ ثابت ہوں جس سے وہ خوب سیراب ہو سکیں۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آخری زمانوں میں بعض محققین کی ایسی کتب بھی سامنے آئی ہیں جو بڑے شاندار فوائد پر مشتمل ہیں، خاص طور پر ان میں مستشرقین اور منحرفین کے شبہات کی تردید کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے بعض کتب تو بہت زیادہ مفصل ہیں، جب کہ بعض بڑی مختصر ہیں اور بعض اِس عِلم کو محیط ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میری یہ کتاب تفصیل اور اختصار کے درمیان متوسط کتاب ہو اور تمام بحثوں کا احاطہ کرے۔

میری اِس کتاب کا جدید اہتمام اور کوشش

1. **تقسیم :** ہر بحث کی مضبوط اور مرقوم کلام میں تقسیم، تاکہ طالب عِلم پر اِس کا سمجھنا آسان ہو۔
2. **تکامل :** ہر بحث کو تعریف اور مثال وغیرہ ذکر کر کے عام فہم شکل میں مکمل کرنا۔
3. **استیعاب :** مختصر طور پر اِس فن کی تمام بحثوں کا احاطہ کرنا۔

تبویب و ترتیب کے لیے میں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے انداز سے استفادہ کیا ہے جو اُنھوں نے نخبة الفکر اور اس کی شرح نزھة النظر میں اختیار کیا ہے' کیونکہ وہ ایک عمدہ ترتیب ہے جسے اُنھوں نے اپنایا ہے۔ علمی مادوں میں میرا زیادہ تر اعتماد امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی کتاب علوم الحدیث اور اس کے اختصار امام نووی رحمہ اللہ کی تقریب اور اس کی شرح امام سیوطی رحمہ اللہ کی تدریب پر ہے۔

میں نے کتاب کو مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل رکھا ہے :

پہلا باب خبر کے متعلق ہے۔

دوسرا جرح و تعدیل کے متعلق ہے۔

تیسرا باب روایت اور اس کے اصول کے متعلق ہے۔

چوتھا باب اسناد اور راویوں کی معرفت کے بیان میں ہے۔

جب کہ میں اس کوشش کو اپنے عزیز طلبا کے سامنے پیش کر رہا ہوں تو اپنی عاجزی اور اس علم کو اس کا حق دینے میں اپنی تقصیر کا معترف ہوں اور اپنے آپ کو خطا کرنے اور پھسلنے سے بری نہیں سمجھتا اور اُمید ہے کہ جو حضرات اس میں غلطی یا خطا پر مطلع ہوں گے مجھے متنبہ کر کے مشکور ہوں گے' تاکہ میں اِس کا تدارک کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید اور دُعا ہے کہ وہ اس سے طلبا اور حدیث میں مشغول رہنے والوں کو نفع دے اور اسے اپنی بارگاہ میں خالص بنا دے۔ آمین!

مقدمہ

عِلمِ مصطلح کی نشاۃ کی مختصر تاریخ اور وہ حالات جن سے یہ عِلم گذرا :

ایک تحقیق و بحث کرنے والا اس چیز کو ملاحظہ کرتا ہے کہ عِلمِ روایت اور نقل اخبار کی بنیادیں اور اس کے اساسی ارکان یقیناً قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ﴾ (حجرات: ۶)

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اِس کی تحقیق کرو“

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

”اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے اُس شخص کو جس نے ہم سے کوئی چیز (حدیث) سنی اور اسے بالکل اُسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح اس نے خود سنا تھا' کیونکہ بعض اوقات وہ شخص جسے بات پہنچائی جاتی ہے' سامع سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہوتا ہے۔“

ایک روایت میں ہے ”دین کی سمجھ رکھنے والا ایسے شخص تک دین کی بات پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات دین کی بات آگے بیان کرنے والا بالکل فقیہ نہیں ہوتا۔“ (ترمذی کتاب العلم۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے)

پس اس آیت کریمہ اور حدیث شریف میں احادیث کو اخذ کرنے اور ان کو ضبط و محفوظ کرنے کی کیفیت سے متعلق ثبوت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور احادیث کے ضبط اور حفظ کے لیے متنبہ کیا گیا ہے اور دوسروں کے لیے نقل کرنے میں دقت اور دور اندیشی پر خبردار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو بجا لاتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

احادیث کے قبول کرنے اور ان کو روایت کرنے میں تحقیق و تثبت سے کام لیتے تھے۔ خصوصاً جب کہ انہیں روایت کرنے والے کی سچائی کے متعلق شک ہوتا تھا۔ اس بنیاد پر اسناد کا موضوع ہونا اور احادیث کو قبول و رد کرنے میں اس کی اہمیت ظاہر ہوئی' جیسا کہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں مرقوم ہے۔ ابن سیرین سے مروی ہے' فرماتے ہیں لوگ (خاص کر علماء) اسناد سے متعلق نہ پوچھتے تھے مگر جب فتنہ (وضع حدیث) واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اپنے رجال (راویان حدیث) کا نام لیا کرو تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کو ممتاز کیا جاسکے اور اہل سنت سے احادیث قبول کی جائیں اور اہل بدعت کی احادیث رد کر دی جائیں۔
(مقدمہ صحیح مسلم)

اس بنیاد پر کہ سند کی پہچان کے بغیر کوئی حدیث قبول نہیں کی جاسکتی' جرح و تعدیل کا علم منظر عام پر آیا۔ راویوں پر کلام کرنا ظاہر ہوا اور سندوں میں سے متصل اور منقطع کی پہچان ہوئی اور مخفی علتوں کی معرفت ظاہر ہوئی اور قلیل طور پر بعض راویوں میں کلام کا پتا چلا' کیونکہ شروع شروع میں مجروح راوی بہت کم تھے۔

پھر علما نے اس فن میں وسعت پیدا کی یہاں تک کہ حدیث سے متعلق بہت سے علوم میں بحث منظر عام پر آئی۔ جیسے حدیث کو ضبط و محفوظ کرنے کا پہلو ہے اور اس کو اخذ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی کیفیت ہے۔ ناسخ و منسوخ کی پہچان ہوئی۔ حدیث غریب وغیرہ کی پہچان ہوئی۔ مگر اس چیز کو علما آپس میں زبانی و شفوی طور پر نقل و روایت کیا کرتے تھے۔ پھر حالات نے رُخ موڑا اور یہ علوم لکھے جانے لگے اور حوالہ قرطاس ہوئے' مگر یہ فن دوسرے علوم کے ساتھ خلط ملط مختلف کتب میں اور مختلف جگہوں پر لکھا گیا۔ جیسے علم اصول کے ساتھ اور علم فقہ و حدیث کے ساتھ جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام اور دوسری کتاب الرسالہ ہے۔

آخر جب علوم پختہ ہوئے اور اصطلاحیں مقرر اور ثابت ہو گئیں اور ہر فن اپنے غیر سے جدا ہو کر مستقل شکل اختیار کر گیا اور یہ سب کچھ چوتھی صدی ہجری میں ہوا' یعنی علما نے علم مصطلح کو الگ مستقل کتاب میں لکھا' تو سب سے پہلے جس عالم نے اس علم کو مستقل کتابی شکل دی وہ قاضی ابو محمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی' متوفی ۳۶۰ھ ہیں' جنہوں نے اس فن کو اپنی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" میں

قواعد کے بیان سے سیراب ہے۔ اس عِلم کے یہ عمدہ مصادر میں شمار ہوتی ہے۔

۵ الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع

یہ بھی خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں روایت کے آداب سے متعلق بحث کی گئی ہے جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہوتا ہے۔ یہ اپنے میدان میں یکتا و منفرد کتاب ہے اور اپنی بحثوں اور موضوعات و مشتملات میں پختہ ہے۔ خطیب بغدادی نے حدیث کے علوم میں سے ہر فن میں ایک الگ اور مستقل کتاب لکھی ہے سوائے چند فنون کے۔ خطیب کی حیثیت و مقام یہ ہے جیسا کہ ابو بکر بن نقطہ نے فرمایا ہے:

"جس نے بھی انصاف کیا اس نے یہی جانا (اور کہا) کہ خطیب کے بعد آنے والے تمام محدثین ان کی کتب کے محتاج ہیں۔"

۶ الالماع الی معرفة اصول الروایة و تقیید السماع

اسے قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی متوفی ۵۴۴ھ نے تصنیف کیا۔ اِس کتاب میں مصطلح کی مکمل اور تمام بحثیں شامل نہیں بلکہ یہ تحمل و ادا کی کیفیت اور اس کی فروعات سے متعلقات پر مقصور و محصور ہے۔ لیکن اس کے باوجود نظم و نسق اور ترتیب کے اعتبار سے اپنے فن کی بہت عمدہ کتاب ہے۔

۷ ما لا یسع المحدث جهله

اس کے مصنف ابو حفص عمر بن عبدالمجید میانجی متوفی ۵۸۰ھ ہیں۔ یہ ایک چھوٹا اور مختصر جز ہے جس میں کوئی بڑا فائدہ پنہاں نہیں ہے۔

۸ علوم الحدیث

اسے ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمان شہرزوری المعروف بہ ابن الصلاح رحمہ اللہ متوفی ۶۴۳ھ نے تصنیف کیا۔ ان کی یہ کتاب لوگوں کے ہاں مقدمہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ فن اصول حدیث میں سب سے عمدہ کتاب ہے۔ اس کے مؤلف نے اس میں خطیب بغدادی اور دوسرے متقدمین وغیرہ کی کتابوں سے متفرق و منتشر مواد جمع کر دیا ہے' گویا یہ فوائد سے بھرپور کتاب ہے' لیکن مؤلف اسے مناسب ترتیب اور وضع پر مرتب نہ کر سکے کیونکہ انہوں نے اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے اِملا کرایا تھا

قواعد کے بیان سے سیراب ہے۔ اس عِلم کے یہ عمدہ مصادر میں شمار ہوتی ہے۔

❺ الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع

یہ بھی خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں روایت کے آداب سے متعلق بحث کی گئی ہے جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہوتا ہے۔ یہ اپنے میدان میں یکتا و منفرد کتاب ہے اور اپنی بحثوں اور موضوعات و مشتملات میں پختہ ہے۔ خطیب بغدادی نے حدیث کے علوم میں سے ہر فن میں ایک الگ اور مستقل کتاب لکھی ہے سوائے چند فنون کے۔ خطیب کی حیثیت و مقام یہ ہے جیسا کہ ابو بکر بن نقطہ نے فرمایا ہے :

''جس نے بھی انصاف کیا اس نے یہی جانا (اور کہا) کہ خطیب کے بعد آنے والے تمام محدثین ان کی کتب کے محتاج ہیں۔''

❻ الالماع الی معرفة اصول الروایة و تقیید السماع

اسے قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی متوفی ۵۴۴ھ نے تصنیف کیا۔ اِس کتاب میں مصطلح کی مکمل اور تمام بحثیں شامل نہیں بلکہ یہ تحمل و ادا کی کیفیت اور اس کی فروعات سے متعلقات پر مقصور و محصور ہے۔ لیکن اس کے باوجود نظم و نسق اور ترتیب کے اعتبار سے اپنے فن کی بہت عمدہ کتاب ہے۔

❼ ما لا یسع المحدث جهله

اس کے مصنف ابو حفص عمر بن عبدالمجید میانجی متوفی ۵۸۰ھ ہیں۔ یہ ایک چھوٹا اور مختصر جز ہے جس میں کوئی بڑا فائدہ پنہاں نہیں ہے۔

❽ علوم الحدیث

اسے ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمان شہرزوری المعروف بہ ابن الصلاح رحمہ اللہ متوفی ۶۴۳ھ نے تصنیف کیا۔ ان کی یہ کتاب لوگوں کے ہاں مقدمہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ فن اصول حدیث میں سب سے عمدہ کتاب ہے۔ اس کے مؤلف نے اس میں خطیب بغدادی اور دوسرے متقدمین وغیرہ کی کتابوں سے متفرق و منتشر مواد جمع کر دیا ہے، گویا یہ فوائد سے بھرپور کتاب ہے، لیکن مؤلف اسے مناسب ترتیب اور وضع پر مرتب نہ کر سکے کیونکہ اُنھوں نے اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے اِملا کرایا تھا

(شاگردوں کو حسب ضرورت بحثیں لکھوایا کرتے تھے) اِس کے باوجود یہ بعد میں آنے والے علما کے لیے ایک ستون ثابت ہوئی۔ اِس کے بہت سے اختصار کئے گئے ہیں۔ کہیں اسے نظم کیا گیا تو کہیں اس کا معارضہ پیش کیا گیا تو کسی نے اس کی تائید میں لکھا۔

⑨ التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر والنذیر

اسے تصنیف کرنے والے محی الدین یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ ہیں۔ یہ کتاب ابن الصلاح رحمہ اللہ کی کتاب علوم الحدیث کا اختصار ہے۔ یہ ایک عمدہ کتاب ہے لیکن بعض مقامات پر عبارت کچھ مغلق ہے۔

⑩ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی

اس کے مصنف جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی ۹۱۱ھ ہیں۔ یہ امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب التقریب کی شرح ہے جیسا کہ نام سے بھی واضح ہے۔ اس میں مؤلف نے بہت سے فوائد جمع کر دیئے ہیں۔

⑪ نظم الدرر فی عِلم الاثر

اسے زین الدین عبدالرحیم بن الحسین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے تصنیف کیا ہے۔ یہ الفیہ العراقی کے نام سے مشہور ہے جس میں اُنہوں نے ابن الصلاح رحمہ اللہ کی علوم الحدیث کو اشعار میں لکھا ہے اور کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ عمدہ اور شاندار فوائد پر مشتمل ہے اور اس کی کئی شروح ہیں۔ ان میں سے دو شرحیں مصنف نے خود لکھی ہیں۔

⑫ فتح المغیث فی شرح الفیة الحدیث

اِس کے مصنف محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ ہیں۔ یہ الفیہ عراقی کی شرح ہے اور یہ الفیہ کی شروح میں سب سے مفصل ہے اور بہت عمدہ شرح ہے۔

⑬ نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر

اِسے حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تصنیف کیا۔ یہ ایک بہت ہی مختصر سا جز ہے لیکن ترتیب کے اعتبار سے مختصرات میں سب سے نفع مند اور عمدہ ترین جز ہے۔ اس میں ترتیب و تقسیم کے طریقے کے اعتبار سے مصنف وہ سبقت لے گیا ہے جس کی

طرف پہلے کسی نے بھی سبقت نہیں کی اور مصنف نے خود اس کی شرح بھی لکھی جس کا نام اُنہوں نے نزھة النظر رکھا جیسا کہ دوسروں نے بھی اس کی شروح لکھی ہیں۔

⓮ المنظومة البیقونیة:

اِس کو تصنیف کرنے والے عمر بن محمد البیقونی متوفی ۱۰۸۰ھ ہیں۔ یہ مختصر منظومات میں سے ہے۔ یہ چونتیس اشعار سے متجاوز نہیں ہے۔ اِس کا شمار مفید اور مشہور مختصرات میں ہوتا ہے اور اس کی بھی کئی شروح لکھی گئی ہیں۔

⓯ قواعد التحدیث:

یہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ کی تصنیف ہے اور بہت مفید کتاب ہے۔

اس موضوع پر اور بھی بہت سی تصانیف موجود ہیں' جن کے ذکر سے بحث طویل ہو جائے گی' میں نے ان میں سے مشہور تصانیف کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مُسلمانوں کی طرف سے اِن تمام مصنّفین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

بنیادی اصطلاحات

۱- **عِلمِ مصطلح :**

اِن اصول و قواعد (ضوابط و قوانین) کا علم جن کے ذریعے بحیثیت مقبول و غیر مقبول سند و متن کی حالتیں پہچانی جاتی ہیں، عِلمِ مصطلح کہلاتا ہے۔

۲- **موضوع :**

بحیثیت مقبول اور غیر مقبول سند اور متن اس کا موضوع ہے۔

۳- **نتیجہ اور فائدہ :**

صحیح اور ضعیف میں فرق واضح ہوتا ہے یا صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز کرنے کا طریقہ سامنے آ جاتا ہے۔

۴- **حدیث :**

لغوی تعریف : جدید اور نئی چیز۔ اس کی جمع احادیث خلافِ قیاس آتی ہے۔

اصطلاحی تعریف : جس کی نسبت اور اضافت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو خواہ قول ہو یا فعل سکوت و تقریر ہو یا صفت و خوبی (وہ حدیث ہے)

۵- **خبر:**

- **لغت میں :** خبر دینا (بتانا) اور اس کی جمع اخبار آتی ہے۔

اصطلاح میں : اِس بارے میں تین قول ہیں۔

(i) یہ حدیث کے مترادف ہے۔ یعنی حدیث اور خبر کے اصطلاحی معنی و مفہوم ایک ہی ہیں۔

(ii) خبر حدیث کے مخالف ہے۔ حدیث وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہو کر آئے اور خبر وہ ہے جو غیر سے منقول ہو۔

(iii) خبر حدیث سے عام ہے۔ یعنی حدیث وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہو اور خبر

وہ ہے جو آپ ﷺ سے منقول ہو یا آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے۔

۶۔ اثر :

لغوی تعریف : باقی ماندہ چیز' کسی شے کا باقی رہنے والا نشان یا اثر۔

اصطلاحی تعریف : اس میں دو قول ہیں۔

i اثر حدیث کے ہم معنی اور مترادف ہے یعنی دونوں کے اصطلاحی معنی و مفہوم ایک ہی ہیں۔

ii حدیث کے مخالف ہے۔ یعنی اثر وہ قول یا فعل ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کی طرف منسوب اور مضاف ہو۔

۷۔ اسناد :

اس کے دو معانی و مطالب ہیں۔

ا حدیث کو سند کے ذریعے اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کرنا اور آگے چلانا۔

ب رجال (راویوں) کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچاتا ہے۔ اس معنی میں یہ سند کے ہم معنی ہے۔

۸۔ سند :

لغوی تعریف : جس پر اعتماد کیا جائے یا سہارا' سند کو اسی لیے سند کہتے ہیں کہ متن کا اعتماد اور سہارا اسی پر ہوتا ہے۔

اصطلاحی تعریف : رجال راویوں کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچاتا ہے۔

۹۔ متن :

لغوی تعریف : سخت مضبوط اور زمین کا وہ قطعہ جو بلند ہو۔

اصطلاحی تعریف : سند کے بعد والا کلام یا جس تک سند پہنچتی ہے۔

۱۰۔ مسنَد : (نون کی زبر کے ساتھ)

لغوی تعریف : اسند سے مفعول کا صیغہ ہے اور اُسْنِدَ الشَّيْئُ اِلَيْهِ سے ماخوذ ہے اس کے

معنی ہیں' اس نے اس چیز کو اس کی طرف بلند کیا اور منسوب کیا۔

اصطلاحی تعریف: اس کے تین معانی و مفاہیم ہیں۔

(i) ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات علیحدہ جمع کی گئی ہوں۔

(ii) وہ مرفوع حدیث جو سنداً متصل ہو یعنی متصل سند والی مرفوع حدیث۔

(iii) اس سے مُراد سند لی جائے اس وقت یہ مصدر میمی ہو گا۔

۱۱۔ **مسنِد :** (نون کی زیر کے ساتھ)

وہ شخص جو حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے خواہ اس کے پاس اس حدیث کے متعلق عِلم ہو یا نہ ہو بلکہ صرف مطلق روایات کر سکتا ہو۔

۱۲۔ **محدث :**

وہ شخص جو روایتاً (بیان کرنے) اور درایتاً (معنی و مفہوم سمجھ کر) عِلم حدیث کے ساتھ مشغول ہو اور بہت سی احادیث اور ان کے راویوں کے حالات پر آگاہ اور مطلع ہو۔

۱۳۔ **حافظ :**

اِس میں دو قول ہیں۔

أ اکثر محدثین کے نزدیک یہ محدث کے ہم معنی اور مترادف ہے۔

ب کہا جاتا ہے کہ وہ محدث سے ایک درجہ بلند ہے اس حیثیت سے کہ رواۃ کے ہر طبقے میں اسکی معرفت و واقفیت اسکی جہالت اور عدم واقفیت سے زیادہ ہوتی ہے۔

۱۴۔ **حاکم :**

بعض علما کی رائے کے مطابق جس نے تمام احادیث کے عِلم کا احاطہ کیا ہو یہاں تک کہ اس سے بہت ہی قلیل اور تھوڑی احادیث رہ گئی ہوں۔ (ورنہ ہر حدیث کا عِلم رکھتا ہو)

پہلا باب :

خبر کے متعلق

پہلی فصل : خبر کی تقسیم ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے

دوسری فصل : خبر مقبول

تیسری فصل : خبر مردود (غیر مقبول)

چوتھی فصل : مقبول و مردود کے درمیان مشترک خبر (خبر مشترک)

پہلی فصل

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے خبر کی تقسیم

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے خبر دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے :

(۱) اگر خبر کی سندیں بہت زیادہ بلا حصر (بغیر عدد معین بہت زیادہ ہوں) تو وہ متواتر ہے۔

(۲) اگر اس کی سندیں محصور اور معین عدد (محدود اور بہت کم ہوں) سے ہوں تو وہ احاد ہے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی قسمیں اور تفاصیل ہیں جنہیں میں بیان کروں گا اور ان شاء اللہ شرح و بسط سے بیان کروں گا۔ میں متواتر کی بحث سے آغاز کرتا ہوں۔

پہلی بحث

خبر متواتر

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ تواتر سے مشتق ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی تتابع (لگاتار اور مسلسل آنا) آپ کہتے ہیں تَوَاتَرَ الْمَطَرُ (بارش متواتر ہوئی) یعنی بارش کا نزول لگاتار اور مسلسل ہوا۔

اصطلاحی تعریف: جسے ایک بڑی جماعت روایت کرے کہ عادت اس کثرت تعداد کے جھوٹ پر متفق و جمع کو محال جانے (یعنی جس خبر کو اتنی کثرت تعداد سے راوی روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً محال ہو)

تعریف کا معنی: یعنی وہ حدیث یا خبر جسے سند کے طبقوں میں سے ہر طبقہ میں اتنے کثیر اور زیادہ راوی روایت کریں کہ عقل عادتاً (یہی) فیصلہ دے کہ اتنے زیادہ راویوں کا اس حدیث کے بنانے اور گھڑنے پر جمع و متفق ہونا محال ہے۔

۲۔ متواتر کی شرائط: تعریف کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ خبر میں تواتر کے تحقق و اثبات کے لیے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ خبر متواتر نہیں ہو گی۔ وہ چار شرائط یہ ہیں:

(ا) اِس خبر کو کثیر تعداد روایت کرے۔ کم از کم کثرت میں کئی اقوال ہیں۔ پسندیدہ اور مختار قول یہ ہے کہ دس شخص ہوں۔ (تدریب الراوی ج ۲، ص ۱۷۷)

(ب) یہی کثرت سند کے تمام طبقوں میں موجود ہو۔

(ج) عادت ان کے جھوٹ پر متفق ہونے کو محال جانے۔ (یہ اس صورت میں کہ وہ مختلف خطوں اور مختلف ممالک سے ہوں اور مختلف مذاہب سے ہوں وغیرہ، یہی

وجہ ہے کہ بعض اوقات خبر دینے والے لوگوں کی تعداد کثیر ہوتی ہے مگر وہ حکماً متواتر سے نہیں ہوتی جب کہ بعض اوقات رواۃ کی تعداد کم ہوتی ہے مگر خبر کا حکم متواتر کا ہوتا ہے بس یہ سب رواۃ کے حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے)

(د) اِن کی خبر کا اعتماد حس پر ہو جیسے وہ کہیں ((سمعنا)) ہم نے سنا ((رأینا)) ہم نے دیکھا ((لمسنا)) ہم نے چھوا وغیرہ۔ لیکن اگر ان کی خبر کا انحصار و استناد عقل پر ہو جیسے کہنا کہ عالم حادث ہے تو ایسی خبر متواتر نہیں کہلائے گی۔

۳۔ **متواتر کا حکم** : خبر متواتر علم ضروری یعنی یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ علمِ یقینی وہ علم ہے کہ جس کی پختہ و جازم تصدیق کرنے پر انسان مجبور اور لاچار ہوتا ہے۔ جیسے کوئی خود معاملہ کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ کیسے اس معاملے میں متردد ہو گا۔ پس اسی طرح خبر متواتر ہے۔ اسی لیے متواتر تمام کی تمام مقبول ہوتی ہے' اس کے راویوں کے حالات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۴۔ **متواتر کی قسمیں** : خبر متواتر کی دو اقسام ہیں' لفظی اور معنوی۔

متواتر لفظی : جس کے لفظ اور معنی دونوں تواتر سے ثابت ہوں۔

مثال : جیسے یہ حدیث ہے "جس نے مجھ پر جان بوجھ کر (عمداً) جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔"

اسے ۷۳ سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

متواتر معنوی : جس کے معنی تواتر سے ثابت ہوں مگر لفظ نہیں۔

مثال جیسے دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کی احادیث ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی سو کے قریب احادیث مروی ہیں' ان میں سے ہر حدیث میں یہی ہے (عدد مشترک) کہ آپؐ نے دُعا میں ہاتھ اُٹھائے مگر معاملات و واقعات اور قضیے مختلف ہیں تو ان میں سے ہر واقعہ اور قضیہ متواتر نہیں اور ان سب میں جو قدر مشترک ہے وہ ہے دُعا میں ہاتھ اُٹھانا' جو کہ مجموعی سندوں کے اعتبار سے تواتر سے ثابت ہو رہی ہے۔ (تدریب الراوی ج ۲' ص ۱۸۰)

۵۔ **متواتر کا وجود** : متواتر احادیث کی ایک مناسب اور کافی تعداد موجود ہے جن

میں سے ایک حوض والی حدیث ہے اور موزوں پر مسح کی حدیث اور نماز میں رفع الیدین کی حدیث اور وہ حدیث جس میں لفظ ہیں ((نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَاءً)) اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ لیکن اگر ہم خبر احاد کی تعداد کو دیکھیں تو ان کی نسبت متواتر احادیث بہت کم ہیں۔

٦۔ متواتر سے متعلق مشہور تصانیف :

علما نے تمام متواتر احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور انہیں ایک مستقل تصنیف میں پرو دیا ہے تاکہ طالب و چاہت کرنے والے پر ان کی طرف رجوع آسان ہو جائے۔ ان تصانیف میں سے چند ایک یہ ہیں :

(أ) "الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة" یہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ اس کی ترتیب ابواب پر ہے۔

(ب) "قطف الازهار" یہ بھی امام سیوطی رحمہ اللہ کی ہے اور مذکورہ کتاب کی تلخیص ہے۔

(ج) "نظم المتناثر من الحدیث المتواتر" یہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

دوسری بحث

خبر آحاد

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: احاد احد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایک (واحد) اور خبر واحد وہ ہے جسے ایک شخص روایت کرے۔

اصطلاحی تعریف: جس میں متواتر کی شرطیں جمع نہ ہوں یا جس نے متواتر کی شرطوں کو جمع نہ کیا ہو۔ (نزھۃ النظر ص ۲۶)

۲۔ خبر احاد کا حکم: یہ عِلمِ نظری کا فائدہ دیتی ہے یعنی وہ عِلم جس کا دارومدار غور و فکر اور نظر و استدلال پر ہو۔

۳۔ خبر احاد کی سندوں کی نسبت کے اعتبار سے قسمیں:

اپنے عدد طرق (سندوں کی تعداد) کی نسبت کے اعتبار سے خبر احاد کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ مشہور، ۲۔ عزیز، ۳۔ غریب

اب ہر ایک پر مستقل بحث کے ساتھ کلام کرتا ہوں۔

مشہور

۱۔ تعریف:

لغوی: یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے شَهَرَتِ الْأَمْرُ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں' میں نے اس کا اعلان کیا اور اُسے ظاہر کیا۔ حدیث کی اس قسم کو مشہور اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عام اور ظاہر ہوتی ہے۔

اصطلاحی: جسے ہر طبقے میں تین یا تین سے زیادہ روایت کریں مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچے۔

۲۔ مثال: وہ حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ)) (متفق علیہ' ترمذی' احمد' ابن ماجہ)

۳۔ مستفیض:

لغوی تعریف: استفاض سے اسم فاعل ہے اور فاض الماء سے مشتق ہے' عام اور منتشر ہونے کی وجہ سے اس کا نام مستفیض رکھا گیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: اس کی تعریف میں تین اقوال پر اختلاف ہے' جو یہ ہیں:

(أ) یہ مشہور کے مترادف ہے۔

(ب) یہ مشہور سے خاص ہے کیونکہ مستفیض میں یہ شرط ہے کہ اس کی سند کے دونوں اطراف برابر ہوں اور مشہور میں یہ شرط نہیں لگائی گئی۔

(ج) یہ مشہور سے زیادہ عام ہے یعنی دوسرے قول کے برعکس ہے۔

(مشہور وہ ہے جس کی سند کی دونوں اطراف برابر ہوں' مستفیض میں برابر نہ ہوں)

۴۔ مشہور غیر اصطلاحی:

اِس سے مُراد ایسی خبر ہے جو معتبر شرطوں کے بغیر لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو جائے۔ عام ہے کہ خواہ اس کی ایک سند ہو یا ایک سے زیادہ سندیں ہوں یا سرے سے ہی

اس کی کوئی سند نہ ہو۔

۵۔ مشہور غیر اصطلاحی کی انواع:

اس کی کئی قسمیں ہیں' زیادہ مشہور یہ ہیں:

(ا) جو خاص طور پر محدثین میں مشہور ہو

مثال: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ "بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ رکوع کے بعد دُعائے قنوت کی اور رعل اور ذکوان قبیلوں پر بددُعا کی (متفق علیہ)

(ب) جو محدثین' علما اور عوام میں مشہور ہو

مثال: یہ حدیث ہے "کامل مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مُسلمان محفوظ ہوں" (متفق علیہ)

(ج) جو فقہا میں مشہور ہو

مثال: یہ حدیث ہے "اللہ تعالیٰ کو حلال اور جائز کاموں میں سے سب سے ناپسند اور مبغوض کام طلاق ہے۔" (مستدرک حاکم)

(د) جو اصولیوں کے درمیان مشہور ہو

مثال: یہ حدیث ہے "میری اُمت سے خطا اور نسیان (کا گناہ) اُٹھا لیا گیا ہے اور جس پر انہیں مجبور کیا جائے (اس کا گناہ) اُٹھا لیا گیا ہے۔" (ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

(ھ) جو نحویوں کے درمیان مشہور ہو

مثال: یہ حدیث ہے "صہیب کتنا ہی اچھا بندہ ہے' اگر وہ اللہ سے خوف کرتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا"

حالانکہ اس حدیث کی کوئی اصل اور سند نہیں ہے۔

(و) جو عام لوگوں میں مشہور ہو

مثال: یہ حدیث ہے "جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔" (اخرجہ الترمذی و حسنہ)

۶۔ **مشہور کا حکم :** مشہور خواہ اصطلاحی ہو یا غیر اصطلاحی اسے (مطلقاً) صحیح یا غیر صحیح سے موصوف نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض مشہور صحیح ہیں، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں بلکہ بعض موضوع بھی ہیں۔

لیکن اگر مشہور اصطلاحی صحیح ثابت ہو جائے تو یہ اس خبر کے لیے ایک عمدہ خوبی اور نمایاں فضیلت ہے کہ وہ اسے عزیز اور غریب حدیث پر راجح قرار دیتی ہے۔

۷۔ **اِس کے متعلق مشہور ترین تصانیف :**

یہاں احادیثِ مشہورہ میں مصنفات سے مُراد وہ مشہور احادیث ہیں جو کہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہوئی ہیں نہ کہ اصطلاحی مشہور احادیث۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں :

(أ) المقاصد الحسنة فيما اشتهر على الالسنة امام سخاوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

(ب) كشف الخفاء و مزيل الالباس فيما اشتهر من الحديث على السنة الناس یہ امام عجلونی کی تصنیف ہے۔

(ج) تمييز الطيب من الخبيث فيما يدور على السنة الناس من الحديث یہ امام ابن دیبع شیبانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

عزیز

۱۔ **تعریف :**

لغوی تعریف : یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور یہ عَزَّ یَعِزُّ سے مشتق ہے قلیل اور نادر کے معنی میں یا عَزَّ یَعَزُّ سے مشتق ہے، مضبوط اور ٹھوس کے معنی میں۔ اس کا نام عزیز اس لیے رکھا گیا ہے یا تو اس کا وجود قلیل اور نادر ہے یا اس لیے کہ یہ دوسری سند کی وجہ سے قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

اصلاحی تعریف : جس کے راوی سند کے تمام طبقوں میں دو سے کم نہ ہوں۔

۲۔ **تعریف کی شرح :** یعنی سند کے طبقوں میں سے کسی طبقے میں بھی دو سے کم

راوی نہ ہوں لیکن اگر سند کے بعض طبقوں میں تین یا زائد راوی پائے جائیں تو کوئی ضرر اور مضائقہ نہیں بشرطیکہ دو راوی باقی رہیں خواہ ایک ہی طبقے میں ہوں۔ کیونکہ اعتبار ہمیشہ سند کے طبقوں میں سے کم طبقے کا ہوتا ہے۔

یہی تعریف راجح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی (نخبة الفکر میں) اسے تحریر فرمایا ہے۔ جب کہ بعض علما نے کہا ہے کہ عزیز یہ ہے کہ دو یا تین راوی روایت کریں۔ تو انھوں نے عزیز کو اس کی بعض صورتوں میں مشہور سے الگ نہیں کیا۔

۳۔ **مثال**: امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین اور اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قتادہ رحمہ اللہ اور عبدالعزیز بن صہیب رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ پھر قتادہ رحمہ اللہ سے شعبہ اور سعید نے بیان کیا ہے۔ اور عبدالعزیز سے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث نے روایت کیا ہے۔ پھر ہر ایک سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

۴۔ **مشہور ترین تصانیف**: مزید کے لیے علما نے کوئی خاص اور مستقل تصنیف نہیں کی، اس کا سبب ظاہر ہے کیونکہ عزیز حدیثیں قلیل ہیں اور ایسی تصانیف سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

غریب

۱۔ غریب کی تعریف:

لغوی تعریف: یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اکیلا، منفرد یا جو اپنے رشتہ داروں سے دور ہو (مسافر)

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جسے ایک منفرد راوی بیان کرے۔

۲۔ **تعریف کی تشریح:** وہ حدیث جسے صرف ایک شخص بیان کرے خواہ سند کے تمام طبقوں میں یا بعض طبقوں میں، خواہ ایک ہی طبقے میں ہو۔ اور سند کے باقی طبقوں میں موجود زیادتی کوئی نقصان اور ضرر نہیں دے گی کیونکہ اعتبار اول طبقے کا ہو گا۔

۳۔ **اس کا دوسرا نام:** بہت سے علما نے غریب پر ایک اور نام کا اطلاق کیا ہے وہ ہے فرد۔ اس طرح یہ لفظ مترادف ہے غریب کا۔ بعض علما نے ان دونوں لفظوں میں فرق کیا ہے اور ہر ایک کو ایک مستقل نوع قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ انھیں لغتاً اور اصطلاحاً مترادف قرار دیتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ بے شک اہل اصطلاح ان میں کثرت استعمال اور قلت استعمال کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں تو فرد کا اطلاق اکثر وہ فرد مطلق پر کرتے ہیں جب کہ غریب کا اکثر اطلاق غریب نسبی پر کرتے ہیں۔ (نزهة النظر ص ۲۸)

۴۔ **غریب کی اقسام:** موضع تفرد (غرابت کی جگہ) کے اعتبار سے غرابت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ غریب مطلق، ۲۔ غریب نسبی

غریب مطلق یا فرد مطلق:

۱۔ **تعریف:** وہ حدیث کہ غرابت (تفرد) اس کی اصل سند میں واقع ہو یعنی اس کی اصل سند میں اسے ایک راوی بیان کر رہا ہے۔ اصل سند سے مُراد صحابی والی طرف ہے اور صحابی سند کی کڑیوں میں سے ایک حلقہ اور کڑی ہے یعنی جب ایک حدیث کو اکیلا صحابی بیان کرے تو اس کا نام غریب مطلق رکھتے ہیں)

۲۔ **مثال:** اس کی مثال یہ حدیث ہے کہ ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (متفق علیہ) اسے اکیلے عمر حضرت بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ تفرد آخر سند تک برقرار رہتا ہے جب کہ بعض اوقات اس ایک متفرد راوی سے (تفرد کو) زیادہ راوی بیان کرتے ہیں۔

غریب نسبی یا فرد نسبی:

تعریف: وہ حدیث جس میں غرابت سند کے درمیان ہو۔ یعنی اصل سند میں ایک سے زیادہ راوی بیان کریں' پھر ان راویوں سے ایک اکیلا راوی بیان کرے۔

مثال: اس کی مثال یہ حدیث ہے ((مالك عن الزهری عن انس رضی الله عنه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَکَّةَ وَعلٰی رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ)) (بخاری و مسلم)

اس کی سند میں مالک اکیلا زھری سے روایت کر رہا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس قسم کا نام غریب نسبی اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں تفرد ایک معین شخص کی نسبت سے واقع ہوا ہے۔

۵۔ **غریب نسبی کی قسمیں**: غریب یا فرد کی کچھ انواع موجود ہیں جن کا غریب نسبی میں شمار اور اعتبار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں غرابت مطلقاً نہیں ہوتی بلکہ ان میں غرابت ایک معین شخص کی نسبت سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ انواع یہ ہیں:

ا جس حدیث کو صرف ایک ثقہ راوی بیان کرے: جیسے محدثین کا یہ کہنا اس کو صرف فلاں ثقہ راوی نے روایت کیا ہے۔

ب ایک معین راوی دوسرے معین راوی سے اکیلا بیان کرے: جیسے محدثین کا کہنا اس حدیث کو فلاں اکیلا فلاں سے بیان کر رہا ہے اگرچہ وہ حدیث دوسری سندوں سے اس کے علاوہ راویوں سے مروی ہو رہی ہے۔

ج ایک ملک والے دوسرے علاقے والوں سے بیان کریں: جیسے محدثین کا قول اس حدیث کو اہل مکہ اہل شام سے روایت کر رہے ہیں۔

د ایک شہر والے یا علاقے والے دوسرے شہر والوں یا علاقے والوں سے اکیلے بیان کریں: جیسے محدثین کا قول ہے۔ اس حدیث کو اکیلے بصرہ والے مدینہ والوں سے یا اس حدیث کو اکیلے شام والے حجاز والوں سے بیان کرتے ہیں۔

نوٹ: اختصار کی غرض سے مثالیں ذکر نہیں کیں۔

۶۔ **غریب کی ایک اور تقسیم**: علما نے غریب حدیث کو سند یا متن کی غرابت کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

متن اور سند کے اعتبار سے غریب: وہ حدیث جس کے متن کو صرف ایک راوی بیان کرے۔

سند کے اعتبار سے غریب ہو نہ کہ متن کے اعتبار سے: جیسے وہ حدیث جس کے متن کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ اسی حدیث کو دوسرے صحابی سے ایک اکیلا راوی بیان کرے۔ اور اسی قسم کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غریب من ھذا الوجہ کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

۷۔ **غریب کے مقامات**: یعنی غریب کے پائے جانے کی جگہیں' یہ بہت زیادہ ہیں۔ ا۔ مسند البزار' ب۔ المعجم الاوسط (طبرانی کی تصنیف ہے)

۸۔ اس سے متعلق مشہور ترین تصانیف:

ا غرائب مالك۔ (دار قطنی کی تصنیف ہے)

ب الافراد۔ (یہ بھی دار قطنی کی تصنیف ہے)

ج السنن التی تفرد بکل سنة منھا اھل بلدہ۔ (ابوداؤد سجستانی کی تصنیف ہے)

قوت و ضعف کے اعتبار سے خبر احاد کی تقسیم

خبر احاد خواہ مشہور ہو یا عزیز ہو یا غریب' اپنی قوت و ضعف کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ جو یہ ہیں

۱۔ مقبول: وہ خبر جس کی خبر دینے والے کا صدق غالب و راجح ہو یا جس کے راویوں کا صدق ان کے کذب پر راجح و غالب قرار دیا گیا ہو۔

مقبول کا حکم: اس کے ساتھ حجت پکڑنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

۲۔ مَردود: وہ خبر جس کے خبر دینے والے کے صدق کو غالب و راجح نہ کہا گیا ہو۔

مَردود کا حکم: نہ تو اس سے حجت پکڑی جائے گی اور نہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ مقبول و مردود میں سے ہر ایک کی اقسام اور تفصیلات ہیں' جنہیں میں دو مستقل فصلوں میں بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

دوسری فصل

خبر مقبول

پہلی بحث: مقبول کی قسمیں

دوسری بحث: مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ کی طرف تقسیم

مقبول کی قسمیں

خبر مقبول اپنے مراتب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے دو بڑی اور بنیادی قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔ صحیح ۲۔ حسن

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ لذاتہ ۲۔ لغیرہ

اس طرح مقبول کی چار قسمیں بنتی ہیں' جو یہ ہیں:

(۱) صحیح لذاتہ (۲) حسن لذاتہ (۳) صحیح لغیرہ (۴) حسن لغیرہ

اب ان قسموں کی تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائیں:

صحیح (صحیح لذاتہ)

ا۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ سقیم کا اُلٹ اور متضاد ہے۔ اس لفظ کا حقیقی اطلاق اجسام میں ہوتا ہے جب کہ حدیث اور دوسرے معانی میں مجازاً بولا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: جس کی سند متصل ہو۔ اسے روایت کرنے والے راوی اول تا آخر عادل و ضابط ہوں وہ شاذ یا معلول نہ ہو۔

۲۔ تعریف کی تشریح: مذکورہ تعریف چند اُمور پر مشتمل ہے جن کا مکمل اور وافر ہونا ضروری ہے تاکہ حدیث صحیح بن سکے۔ اور وہ اُمور یہ ہیں

ا سند کا متصل ہونا: اس سے مُراد یہ ہے کہ اس کے راویوں میں سے ہر راوی نے اول تا آخر اپنے سے اُوپر والے راوی سے مباشرتاً (ملاقات کرکے) حدیث اخذ کی اور لی ہو۔

ب راویوں کا عادل ہونا: یعنی اس کے راویوں میں سے ہر راوی مُسلمان، بالغ، عاقل ہو، فاسق و فاجر نہ ہو اور مروت کے خلاف چلنے والا نہ ہو (مروت کو پامال نہ کرتا ہو)

ج راویوں کا ضابط ہونا: یعنی اس کا ہر راوی مکمل ضبط اور حافظے والا ہو۔ خواہ سینے میں محفوظ کرتا ہو یا کتاب میں لکھ کر محفوظ کرے۔

د خبر شاذ نہ ہو: یعنی وہ حدیث شاذ نہ ہو۔ شاذ یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا جماعت ثقات کی مخالفت کرے۔

ھ معلول نہ ہو: یعنی اس میں کوئی علت نہ ہو اور علت یہ ہے کہ ایسا مخفی اور پوشیدہ سبب جو حدیث کی صحت میں عیب پیدا کرتا ہے جب کہ حدیث کا ظاہر

ایسی علت اور سبب سے محفوظ معلوم ہو۔

۳۔ **صحیح کی شرائط** : تعریف کی تشریح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے پانچ شرطوں کا مکمل و وافر ہونا ضروری ہے۔ جو یہ ہیں :

سند متصل ہو، راوی عادل ہوں، ضابط ہوں، حدیث میں علت نہ ہو، اور شاذ نہ ہو۔ ان پانچ میں سے کسی ایک کے مفقود ہونے سے حدیث صحیح نہیں رہے گی۔

۴۔ **صحیح کی مثال** : وہ حدیث جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ فرماتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن یوسف نے، وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی مالک نے، وہ ابن شہاب (زہری) سے بیان کرتے ہیں، وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے، وہ اپنے باپ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نمازِ مغرب میں سورۃ طور کی قرأت کر رہے تھے۔ (بخاری کتاب الاذان)

یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ :

ا اِس کی سند متصل ہے، کیونکہ اس کے ہر راوی نے اپنے استاد سے سنا ہے۔ رہی مالک، ابن شہاب اور ابن جبیر کی عنعنہ تو وہ اتصال پر محمول ہے، کیونکہ یہ مدلس نہیں ہیں۔ گویا کہ مدلس کی عنعنہ مردود اور غیر مدلس کی مقبول ہوتی ہے۔

ب اِس کے تمام راوی عادل ہیں۔

ج اِس کے تمام راوی ضابط ہیں۔

جرح و تعدیل کے علما نے اِس کے یہ اوصاف بیان کیے ہیں :

۱ عبداللہ بن یوسف : ثقة متقن (ثقہ ہیں اور حافظ و متقن ہیں)

۲ مالک بن انس : امام حافظ (حدیث میں امام ہیں اور حافظ و ضابط ہیں)

۳ ابن شہاب الزہری : فقیہ حافظ متفق علی جلالته واتقانه (فقیہ اور حافظ ہیں۔ ان کی عظمت اور پختگی پر اتفاق کیا گیا ہے)

۴ محمد بن جبیر : ثقة (ثقہ ہیں)

۵ جبیر بن مطعم : صحابی (صحابی ہیں)

د یہ حدیث شاذ بھی نہیں ہے، کیونکہ ان راویوں میں سے کسی نے بھی اپنے سے زیادہ قوی کی مخالفت نہیں کی ہے۔

ھ اِس میں کوئی علت بھی نہیں ہے (جو اسے معیوب کرے)

۵- **صحیح کا حکم**: اس پر عمل واجب ہے اور اس کے وجوب عمل پر محدثین اور معتمد اصولی اور فقہا کا اجماع ہے۔ اور یہ شرعی دلائل میں سے ایک حجت ہے اور مُسلمان کے لیے اس پر عمل ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۶- محدثین کے قول "یہ حدیث صحیح ہے؟" یا "یہ حدیث غیر صحیح ہے؟" کا مفہوم

ا محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مذکورہ پانچوں شرطیں اس حدیث میں ثابت ہیں۔ یہ مُراد نہیں کہ نفس امر (اصل واقعہ) میں بھی اس کی صحت قطعی اور یقینی ہے کیونکہ ثقہ سے غلطی اور بھول کا وقوع ممکن ہے۔ ☆

ب محدثین کا کہنا یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں صحیح کی مذکورہ پانچ یا بعض شرائط ثابت نہیں ہیں۔ نہ کہ نفس امر میں جھوٹ ہے کیونکہ بہت سے غلطیاں کرنے والوں سے بھی درست بات کہنے کا امکان موجود ہے۔

(تدریب الراوی ج ۱' ص ۷۵'۷۶)

۷- کیا کسی سند کو بالجزم (یقینی طور پر) صحیح ترین سند کہا جاسکتا ہے؟

مختار قول کے مطابق کسی سند کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مطلقاً صحیح ترین سند ہے۔ کیونکہ صحت حدیث کے مراتب کے اختلاف و تفاوت کا مدار سند میں موجود شروط صحت کی موجودگی اور امکانِ وجود پر ہے۔ اور صحت کی تمام شرطوں میں بلند درجات کا اثبات و تحقق بہت قلیل اور نادر ہے اس لیے اولیٰ اور مناسب یہی ہے' کہ مطلقاً کسی سند کو صحیح ترین سند کہنے سے توقف اور امساک کیا جائے۔ اس کے باوجود کہ

☆ اگرچہ مجھے مصنف کی اس بات سے اختلاف ہے کیونکہ ایک تو اس سے منکرین حدیث کے لیے ہر حدیث کو ضعیف کہنے کی راہ نکلتی ہے۔ دوسرا جب ایسی حدیث جس میں مذکورہ پانچوں شرائط موجود ہوں ہم بہرحال انسانی طاقت و بساط کے مطابق اسے یہی کہیں گے کہ وہ صحیح ہے۔ کیونکہ تقریباً اُمت کا عمل بھی اسی پر ہے۔ میرا مقصد شیخ کا رد نہیں' کیونکہ شیخ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے جسے سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں..... بلکہ اصلاح مقصود ہے۔ مترجم)

بعض ائمہ حدیث سے اصح الاسانید کے متعلق اقوال منقول ہیں۔ اس میں ظاہر بات یہی ہے کہ ہر امام نے ہر اس سند کو صحیح ترین کہا ہے جو اس کے ہاں قوی تھی۔ ان اقوال میں سے چند صحیح ترین اقوال یہ ہیں :

ا صحیح ترین سند "الزهري عن سالم عن ابيه" (عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما)
یہ قول اسحاق بن راہویہ اور احمد رحمہما اللہ سے مروی ہے۔

ب "ابن سيرين عن عبيده عن علي" یہ قول ابن المدینی اور فلاس سے منقول ہے۔

ج "اعمش عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله بن مسعود" یہ قول ابن معین سے مروی ہے۔

د "الزهري عن علي بن الحسين عن ابيه عن علي" یہ قول ابوبکر بن ابی شیبہ سے منقول ہے۔

ہ "مالك عن نافع عن ابن عمر" یہ امام بخاری کا قول ہے۔
(خاص کر جب امام مالک کے شاگرد امام شافعی ہوں)

۸۔ مجرد صحیح احادیث میں سب سے پہلی تصنیف کون سی ہے؟

خالصتاً صحیح احادیث پر مشتمل سب سے پہلی تصنیف صحیح بخاری لکھی گئی ہے پھر صحیح مسلم۔ اور یہ دونوں قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں اور ان کی مقبولیت پر پوری اُمت متفق ہے۔

ا۔ ان دونوں میں سے کون سی صحیح ترین ہے؟

ان دونوں میں صحیح ترین صحیح بخاری ہے اور اس میں بہت زیادہ فوائد ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری کی احادیث کی اسناد پوری طرح متصل ہیں اور اس کے راوی اوثق ہیں' اور اس لیے بھی کہ اس میں وہ فقہی استدلال اور حکمی و حکمتی نکات موجود ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کا صحیح مسلم سے اصح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجموعی اعتبار سے اس سے صحیح ترین ہے ورنہ صحیح مسلم کی بعض احادیث صحیح بخاری کی بعض احادیث سے زیادہ قوی ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صحیح مسلم صحیح بخاری سے اصح ہے' مگر پہلا قول درست ہے۔

ب۔ کیا بخاری و مسلم نے صحیح احادیث کا احاطہ و استیعاب کیا یا اس کا التزام کیا ہے؟

بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں صحیح احادیث کا نہ احاطہ کیا ہے اور نہ اس چیز کا التزام کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں "میں نے اپنی کتاب الجامع میں صرف صحیح احادیث جمع کی ہیں اور طوالت کی وجہ سے میں نے بہت سی صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں۔"

اور امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی میں نے اسے اس کتاب میں درج نہیں کیا بلکہ ان میں سے وہ احادیث جمع کی ہیں' جن کی صحت پر علما کا اتفاق و اجماع تھا"

ج۔ کیا ان سے صحیح احادیث کی زیادہ مقدار رہ گئی ہے یا تھوڑی؟

۱ حافظ ابن الاخرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے بہت کم مقدار رہ گئی ہے۔ مگر اس بات کا ان پر انکار کیا گیا ہے۔

۲ صحیح بات یہ ہے کہ ان سے ایک بڑی مقدار رہ گئی ہے' امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے زیادہ صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں۔ (یعنی تھوڑی درج کی ہیں) اور فرماتے ہیں میں نے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد اور محفوظ کی ہیں۔ (علوم الحدیث ص ۱۹)

د۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں احادیث کی تعداد:

۱۔ صحیح بخاری: اس میں کل مکررات کے ساتھ سات ہزار دو سو پچھتر احادیث ہیں جب کہ مکررات کو حذف کر دیں تو چار ہزار ہیں۔

۲۔ صحیح مسلم: اس میں کل مکررات کے ساتھ بارہ ہزار احادیث ہیں' لیکن مکررات کو حذف کر دیں تو تقریباً چار ہزار رہ جاتی ہیں۔

ھ۔ جو صحیح احادیث بخاری اور مسلم سے رہ گئی ہیں وہ ہم کہاں پا سکتے ہیں؟

ہم انہیں مشہور اور معتمد علیہ کتب میں پا سکتے ہیں جیسے صحیح ابن خزیمہ' صحیح ابن حبان' مستدرک حاکم' اور سنن اربعہ' (نسائی' ابن ماجہ' ترمذی' ابوداؤد) اور سنن دار قطنی اور سنن بیہقی وغیرہ۔

حدیث کی صحت کے لیے اس کا ان کتب میں موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کی

صحت پر نص بیان کرنا ضروری ہے الا یہ کہ اگر کسی صاحب کتاب نے شرط لگائی ہو کہ وہ صرف صحیح احادیث پر اکتفا کرے گا جیسے صحیح ابن خزیمہ (تو اس میں حدیث کا وجود کافی ہے)

۹۔ مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان پر کلام:

ا۔ مستدرک حاکم: کتب احادیث میں سے ایک جسیم اور ضخیم کتاب ہے جس میں مؤلف نے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک کی شرط پر صحیح احادیث جمع کی ہیں جنہیں مذکورہ ائمہ نے ذکر نہیں کیا، ایسے ہی بعض وہ صحیح احادیث بھی ذکر کی ہیں جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اگرچہ وہ بخاری و مسلم کی شرط پر نہ تھیں۔ یہ مُراد لیتے ہوئے اور اعتبار کرتے ہوئے کہ ان کی سندیں صحیح ہیں تو بسا اوقات وہ احادیث بھی ذکر کر دیں جو صحیح نہیں تھیں ہاں ان پر انہوں نے متنبہ کر دیا ہے۔ امام موصوف تصحیح احادیث میں متساہل ہیں، لہٰذا ان کی ذکر کردہ احادیث کا تتبع اور تحقیق کرتے ہوئے ان کے مناسب حال ان پر حکم لگانا چاہیے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا تتبع کیا ہے اور اکثر احادیث پر ان کے مناسب حال حکم لگایا ہے مگر یہ کتاب ہمیشہ تحقیق اور اہتمام کی محتاج رہے گی۔

ب۔ صحیح ابن حبان: یہ ایک جدید اور نئی ترتیب اور اسلوب کی کتاب ہے۔ نہ تو یہ ابواب کی طرز پر مرتب کی گئی ہے اور نہ مسانید کی ترتیب پر۔ اسی لیے اس کا نام "التقاسیم والانواع" رکھا ہے۔ موصوف کی اس کتاب میں کسی حدیث پر سے پردہ اُٹھانا بہت مشکل ہے یعنی کسی حدیث کا انکشاف کرنا اور اس پر اطلاع پانا بڑا مشکل ہے۔ بعض متاخرین نے اسے ابواب پر ترتیب دیا ہے مثلاً امیر علاء الدین ابوالحسن علی بن بلبان متوفی ۷۳۹ھ اور اس ترتیب کا نام "الاحسان فی تقریب ابن حبان" رکھا ہے) اس کا مصنف حدیث پر صحت کا حکم لگانے میں متساہل ہے، لیکن امام حاکم کی نسبت تساہل برتنے میں کم ہے۔ (تدریب الراوی ج ا، ص ۱۰۹)

ج۔ صحیح ابن خزیمہ: اپنی تلاش حدیث اور اس کی طلب میں مستعد ہونے کی وجہ سے ابن خزیمہ کی کتاب صحیح ابن حبان سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے یہاں تک کہ موصوف نے سند میں ذرا سے کلام کی وجہ سے حدیث کو صحیح کہنے پر توقف اختیار کیا ہے۔ (تدریب الراوی ج۔ا، ص۔۱۰۹)

۱۰۔ صحیحین پر مستخرجات:

ا۔ مستخرج کا موضوع:

یہ کہ مصنف حدیث کی کسی کتاب کو لے کر اس کی احادیث کو اپنی ذاتی سندوں سے بیان کرے۔ اِس صاحب کتاب کی اسناد کے علاوہ اور اس کے شیخ میں یا اُوپر کسی طبقے میں اس کے ساتھ شریک سند ہو (اس کی متابعت تامہ یا قاصرہ حاصل ہو)

ب۔ صحیحین پر مشہور ترین مستخرجات:

۱۔ المستخرج لابی بکر الاسماعیلی — یہ صحیح بخاری پر ہے۔

۲۔ المستخرج لابی عوانہ اسفرائینی — یہ صحیح مسلم پر ہے۔

۳۔ المستخرج لابی نعیم اصبہانی — یہ بخاری و مسلم دونوں پر ہے۔

ج۔ کیا مستخرجات کے مصنفین نے الفاظ میں صحیحین کی موافقت کا التزام کیا ہے؟

مستخرجات کے مصنفین نے الفاظ میں صحیحین کی موافقت کا التزام نہیں کیا کیونکہ یہ وہ الفاظ روایت کرتے ہیں جو انہیں ان کے اساتذہ کے واسطے سے پہنچتے ہیں' اسی لیے بعض مواقع پر بعض الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف واقع ہوا ہے۔ اسی طرح قدیم مؤلفین نے اپنی مستقل تصانیف میں جو احادیث درج کی ہیں' جیسے امام بیہقی' امام بغوی اور ان جیسے دوسرے مؤلفین جو یہ کہتے ہیں "رواہ البخاری" و "رواہ مسلم" تو ان کے الفاظ میں بھی بعض موقعوں پر اختلاف واقع ہوا ہے' تو ان کا یہ کہنا کہ رواہ البخاری و مسلم اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کی اصل (معنی) کو اُنہوں نے روایت کیا ہے۔

د۔ کیا ایک حدیث جسے ہم مستخرجات سے نقل کرتے ہیں' اسے ہم بخاری و مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں؟

مذکورہ بحث و اصول کی بنیاد پر کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مستخرجات یا دوسری مذکورہ کتب سے ایک حدیث نقل کرے اور یہ کہے کہ اسے بخاری یا مسلم نے روایت کیا ہے' ہاں دو شرطوں میں سے ایک شرط ہو تو جائز ہے۔

۱۔ اِس حدیث کا بخاری و مسلم کی اس موجود حدیث سے تقابل اور موازنہ کرے۔

۲ مستخرج یا دوسری کتب کے مصنفین نے اس بات کی صراحت کی ہو کہ بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو انہی لفظوں سے روایت کیا ہے۔

و۔ صحیحین پر مستخرجات لکھنے کے فائدے:

صحیحین پر مستخرجات کے بہت سے فائدے ہیں جو تقریباً دس ہیں۔ انہیں امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تدریب میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے اہم یہ ہیں

۱ سند کا عالی ہونا: اس لیے کہ مثال کے طور پر اگر مستخرج کا مصنف ایک حدیث کو بخاری کے طریق (واسطہ) سے روایت کرتا ہے تو یہ سند نازل ہوتی ہے بہ نسبت اس سند کے کہ جو اس نے اپنی مستخرج میں بیان کی ہے۔

۲ صحیح کی تعداد میں اضافہ: کیونکہ بعض احادیث میں الفاظ کا اضافہ اور تکمیل و تتمہ بیان ہو جاتا ہے۔

۳ کثرت طرق کی وجہ سے قوت کا حاصل ہونا: سندوں کی زیادتی کی وجہ سے حدیث کو تقویت ملتی ہے، جس سے تعارض کے وقت ترجیح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۱۱۔ شیخین نے جو کچھ روایت کیا ہے، اُس کی صحت کا کیا حکم ہے؟

یہ بات گذر چکی ہے کہ امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور اُمت نے ان کتابوں کو قبولیت کی نظر سے لیا ہے تو وہ کون سی احادیث ہیں جن پر صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اور اُمت نے انہیں قبول کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک جن روایات کو اُنہوں نے متصل سند سے روایت کیا ہے ان کا حکم تو صحت کا ہے باقی وہ روایات جن کی سندوں کے شروع میں ایک یا زیادہ راوی حذف ہیں جس کا نام معلق رکھا گیا ہے اور یہ بخاری میں بہت زیادہ ہیں مگر تراجم ابواب اور پیش لفظ کے طور پر ہیں اور ابواب کی پشت (اور درمیان یا اختتام) پر ہرگز نہیں ہیں۔ باقی صحیح مسلم میں سوائے ایک حدیث کے کوئی ایسی حدیث نہیں ہے اور وہ ایک حدیث تیمم کے باب میں ہے جسے امام موصوف نے دوسری جگہ موصول اور متصل بیان نہیں کیا۔ ان کا حکم مندرجہ ذیل ہے

أ جو صیغہ جزم اور معروف صیغے کے ساتھ ہیں جیسے قال' امر' ذکر' روی وغیرہ تو اس کا اپنے مضاف الیہ تک (حذف شدہ حصّہ) صحت کا حکم ہے یعنی بالکل صحیح ہے۔

ب جو صیغہ جزم کے بغیراور مجہول صیغے سے ہے جیسے یروی' یذکر' یحکی' روی' ذکر وغیرہ تو اس کا حکم اپنے مضاف الیہ تک (حذف شدہ حصّے یا منسوب الیہ تک) صحت کا نہیں ہے (یعنی تحقیق کی جائے گی) لیکن اس کے باوجود یہاں پر کوئی زیادہ ضعیف بھی موجود نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی کتاب میں داخل ہوئی ہے جس کا نام صحیح ہے۔

۱۲۔ صحیح کے مرتبے :

یہ بات گذر چکی ہے کہ بعض علما نے اپنے نزدیک موجود صحیح ترین سندیں ذکر کی ہیں۔ اسی بنا پر اور مزید برآں صحت کی باقی شرطوں کے امکان پر یہ کہنا ممکن اور مناسب ہے کہ صحیح حدیث کے کئی مرتبے ہیں۔

أ سب سے بلند مرتبہ اس حدیث کا ہے جو اصح الاسانید میں سے اس سند سے مروی ہے "مالك عن نافع عن ابن عمر"

ب اِس سے نیچے اُس کا مرتبہ ہے جو ان راویوں کی سند سے مروی ہو جو پہلی سند کے راویوں سے کم درجہ ہی۔ جیسے "حماد بن سلمة عن ثابت عن انس"

ج اِس کے بعد اُس کا مرتبہ ہے جو ان راویوں سے مروی ہے جو ثقاہت کے ادنیٰ درجہ سے موصوف ہیں جیسے سهيل بن ابی صالح عن ابيه ابی هريره

انہی تفاصیل سے صحیح حدیث کی سات مراتب کی طرف تقسیم کا تعلق ہے۔ وہ سات مراتب یہ ہیں :

۱۔ جس کی روایت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا اتفاق ہو (یہ سب سے بلند مرتبہ ہے)

۲۔ جسے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہو۔

۳۔ جیسے اکیلے امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہو۔

۴۔ جو بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر ہو مگر انہوں نے روایت نہ کیا ہو۔

۵۔ جو صرف بخاری کی شرط پر ہو مگر امام صاحب رحمہ اللہ نے بیان نہ کیا ہو۔
۶۔ جو صرف مسلم کی شرط پر ہو مگر اُنھوں نے بیان نہ کیا ہو۔
۷۔ جو ان دونوں کے علاوہ ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح ہو مثلاً:
ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ مگر وہ حدیث شیخین کی شرط پر نہ ہو۔

۱۳۔ شیخین کی شرط:

شیخین نے خود کسی شرط کی وضاحت نہیں کی کہ اُنھوں نے یہ شرط لگائی ہے یا اسے متعین کیا ہے ماسوائے ان شروط کے جن پر صحیح میں اتفاق ہے لیکن بحث اور تفتیش کرنے والے علما نے شیخین کے اسلوب کی روشنی میں تحقیق و کرید اور بحث و تمحیص کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے خیال اور مزاج کے مطابق کہا کہ ان دونوں کی فلاں شرط تھی یا ان میں سے ایک کی یہ شرط تھی۔

اس بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط سے مُراد یہ ہے کہ وہ حدیث ان دونوں کتابوں یا کسی ایک کتاب کے راویوں کی سند سے اس طرح مروی ہے کہ بیان میں اسی کیفیت کی رعایت رکھی گئی ہو جس کا شیخین نے ان راویوں سے روایت کرتے ہوئے التزام کیا ہے۔

۱۴۔ محدثین کے قول ’’متفق علیہ‘‘ کا مفہوم:

جب علمائے حدیث کسی حدیث کے متعلق یہ کہتے ہیں (متفق علیہ) تو ان کی مُراد بخاری و مسلم کا اتفاق کرنا ہوتا ہے۔ یعنی شیخین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں، اُمت کا اتفاق مُراد نہیں ہوتا۔ سوائے ابن الصلاح کے وہ فرماتے ہیں کہ شیخین کے اتفاق سے اُمت کا اتفاق خود بخود لازم آتا ہے۔ کیونکہ اُمت نے اس حدیث کو تلقی بالقبول کیا ہے جس کی صحت پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ (علوم الحدیث ص ۲۴)

۱۵۔ کیا صحت حدیث کے لیے عزیز ہونا شرط ہے؟

درست بات یہ ہے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط نہیں ہے۔ عزیز اس معنی میں کہ اس کی دو سندیں ہوں۔ کیونکہ صحیحین میں بہت سی احادیث صحیحہ موجود ہیں حالانکہ وہ غریب ہیں، لیکن بعض علما نے اس کا دعوی کیا ہے (یعنی

صحت حدیث کے لیے عزیز ہونا شرط ہے) جیسے ابو علی الجبائی اور امام حاکم ہیں۔ لیکن ان کا یہ قول اجماع اُمت کے خلاف ہے۔

حسن

ا۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے حسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جمال اور خوب صورتی۔

اصطلاحی تعریف: حسن کے صحیح اور ضعیف کے درمیان ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ اس لیے بھی کہ بعض علما نے اسے صحیح اور ضعیف کی ایک قسم شمار کیا ہے۔ میں ان میں سے چند تعریفیں ذکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد جسے میں مناسب خیال کروں گا' راجح اور مختار قرار دوں گا۔

خطابی کی تعریف: وہ حدیث جس کا مخرج معلوم ہو' اس کے راوی مشہور ہوں' اور اکثر احادیث کا مدار اسی پر ہو' یعنی جسے اکثر علما نے قبول کیا ہو' اور اکثر فقہا نے اسے استعمال کیا ہو' یعنی اس سے فقہی استدلال کئے ہوں۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۱۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ کی تعریف: ہر وہ حدیث جو اس طرح مروی ہو کہ اس کی سند میں متہم با لکذب راوی نہ ہو' وہ حدیث شاذ نہ ہو' اور اس جیسے کئی طرق سے مروی ہو' وہ حدیث ہمارے نزدیک حسن ہے۔ (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کتاب العلل ج ۱۰ ص ۵۱۹)

حافظ ابن حجر کی تعریف: خبر واحد جو عادل اور تام الضبط راویوں سے مروی ہو' اس کی سند متصل ہو اور وہ معلل اور شاذ نہ ہو' وہ حدیث صحیح لذاتہ ہے' لیکن اگر راوی کا ضبط خفیف ہو تو حسن لذاتہ ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۲۹)

میں کہتا ہوں کہ گویا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک حسن حدیث وہ صحیح حدیث ہے جس کے راوی کا ضبط خفیف ہو یعنی قلیل ہو اور یہ حسن کی سب سے بہتر تعریف ہے۔

رہی خطابی کی تعریف تو اس پر بہت سی تنقیدیں کی گئی ہیں۔ ترمذی نے حسن کی قسموں میں سے ایک قسم کی تعریف کی ہے جو حسن لغیرہ کہلاتی ہے جب کہ اصل یہ تھا کہ

حسن لذاتہ کی تعریف کی جاتی کیونکہ حسن لغیرہ تو اصل میں ضعیف ہوتی ہے' لیکن زیادہ سندوں اور طرق کی وجہ سے ضعف والی کمی پوری ہو جاتی ہے جس سے وہ حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

مختار تعریف: حافظ ابن حجر کی تعریف کو بنیاد قرار دیتے ہوئے حسن کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرنا ممکن اور مناسب ہے۔

"وہ حدیث جس کی سند متصل ہو' اسے نقل کرنے والے راوی اول تا آخر عادل ہوں' لیکن ضبط اور یادداشت خفیف اور کم ہو اور وہ حدیث معلل اور شاذ نہ ہو۔"

۲۔ حسن کا حکم: حجت پکڑنے میں یہ حدیث صحیح کی طرح ہے اگرچہ قوت میں اس سے کم درجے کی ہے' اسی لیے فقہاء نے اس سے حجت پکڑی اور اس پر عمل ہے۔ بڑے بڑے محدثین اور اصولی بھی اس سے حجت پکڑنے کے قائل ہیں سوائے چند شاذ شدت اور سختی پسند علما کے۔

بعض تساہل برتنے والوں نے اسے صحیح کی انواع میں درج کیا ہے جیسے حاکم' ابن حبان اور ابن خزیمہ وغیرہ نے' باوجود اس کے کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ حسن حدیث پہلے مذکور شدہ صریح صحیح حدیث سے کم درجے پر ہے۔ (تدریب الراوی ج ا ص ۱۶۰)

۳۔ حسن کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ ((قال حدثنا قتيبة حدثنا جعفر بن سليمان الضبعي عن ابي عمران الجوني عن ابي بكر بن ابي موسى الاشعرى قال: سَمِعْتُ اَبِي بِحَضْرَةِ الْعَدُوِ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظَلَالِ السُّيُوْفِ--- الحديث)) (جامع الترمذی)

ترجمہ: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں هذا حديث حسن غريب (ترمذی) اور یہ حدیث حسن ہے' کیونکہ اس کی سند کے چار راوی ثقہ ہیں سوائے جعفر بن سلیمان ضبعی کے کہ وہ حسن الحدیث ہے (اس کی حدیث حسن ہوتی ہے)

اسی وجہ سے حدیث صحیح کے مرتبے سے اتر کر حسن کے مرتبے میں پہنچ چکی ہے۔

۴۔ **حسن کے مراتب:** جس طرح صحیح کے مرتبے تھے کہ بعض مرتبے دوسرے مرتبوں سے مختلف اور متفاوت تھے ایسے ہی حسن کے بھی مرتبے ہیں۔

امام ذہبی نے دو مرتبے بنائے ہیں۔ کہتے ہیں :

ا سب سے بلند مرتبہ یہ ہے

"بهز بن حكيم عن ابيه عن جده" اور "عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده" اور ابن اسحاق عن التيمى اور اس جیسے جن کے متعلق صحیح کہا گیا ہے یعنی جو صحیح کے نچلے اور ادنیٰ درجے میں ہیں۔

ب پھر وہ مرتبہ ہے کہ جس کے حسن اور ضعیف ہونے میں اختلاف ہے جیسے حارث بن عبداللہ کی حدیث' عاصم بن ضمرہ اور حجاج بن ارطاۃ وغیرہ کی احادیث ہیں۔

۵۔ محدثین کے قول "حدیث صحیح الاسناد" یا "حسن الاسناد" کا مرتبہ ومقام:

۱۔ محدثین کا کہنا "هذا حديث صحيح الاسناد" اس کا درجہ ان کے اس قول سے کم ہے "هذا حديث صحيح"

۲۔ ایسے ہی ان کا کہنا "هذا حديث حسن الاسناد" یہ کم درجے میں ہے بنسبت ان کے اس قول کے "هذا حديث حسن"

کیونکہ کبھی سند صحیح یا حسن ہوتی ہے جب کہ شذوذ یا علت کی وجہ سے متن صحیح یا حسن نہیں ہوتا گویا جب محدث کہتا ہے "هذا حديث صحيح" تو وہ اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اس حدیث میں صحت کی پانچ شرطیں مکمل طور پر موجود ہیں۔ لیکن جب وہ کہتا ہے "هذا حديث صحيح الاسناد" تو وہ صحت کی شرطوں میں سے صرف تین شرطوں کی ضمانت دیتا ہے جو یہ ہیں

سند کا متصل ہونا' راویوں کا عادل ہونا اور راویوں کا ضابط ہونا۔

وہ شذوذ یا علت کی نفی کی ضمانت نہیں دیتا کیونکہ اس کے پاس ان کا ثبوت نہیں ہوتا۔ لیکن جب کوئی حافظ (محدث سے بلند درجے والا) جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اگر اسی پر اکتفا کرے کہ "هذا حديث صحيح الاسناد" اور اس کی کوئی علت نہ بیان کی گئی ہو تو ظاہر اور غالب بات یہی ہے کہ یہ متن صحیح ہو گا کیونکہ متن میں اصل اور حقیقت علت اور شذوذ کا نہ ہونا ہے۔

۶۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "حدیث حسن صحیح" کا مفہوم:

اس عبارت کا ظاہر مشکل ہے (کیونکہ اس میں دو نقیضوں کو جمع کیا گیا ہے) کیونکہ حسن صحیح کے درجے سے قاصر ہے اور نیچے درجے میں ہے تو ان کے مرتبوں کے تفاوت کے باوجود انہیں کیسے جمع کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مقصود اور مُراد کے متعلق علما نے متعدد جواب دیئے ہیں۔ سب سے بہتر وہ جواب ہے جو حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے اور جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے:

ا اگر حدیث کی دو یا دو سے زائد سندیں ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ ایک سند کے اعتبار سے یہ حدیث حسن ہے اور دوسری کے اعتبار سے صحیح ہے۔

ب اگر اس کی ایک ہی سند ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ ایک قوم کے نزدیک حسن ہے اور دوسری کے نزدیک صحیح ہے۔

گویا کہ قائل اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے جو اس حدیث کے حکم میں علما کے درمیان موجود ہے یا پھر اس قائل کے نزدیک ان میں سے کوئی قول راجح نہیں ہے۔

۷۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی مصابیح میں احادیث کی تقسیم:

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المصابیح میں اپنی ایک خاص اصطلاح پر احادیث درج کی ہیں' اس طرح کہ وہ صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی احادیث کی طرف اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں "صحیح" اور سنن اربعہ کی احادیث کی طرف اس قول سے اشارہ کرتے ہیں "حسن"

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو محدثین کی عام اصطلاح سے نہیں ملتی۔ کیونکہ سنن اربعہ میں صحیح' حسن' ضعیف اور منکر احادیث موجود ہیں اسی لیے اس بات پر ابن الصلاح اور امام نووی نے تنبیہ کی ہے۔

مصابیح کتاب پڑھنے والے پر ضروری ہے کہ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس اصطلاح کا عِلم ہو اور متنبہ رہے جو انہوں نے احادیث کے متعلق کہا ہے "صحیح" یا "حسن"

۸۔ وہ کتب جن میں حسن احادیث موجود ہیں:

علما نے صرف حسن احادیث کے لیے کوئی الگ کتب تصنیف نہیں کیں جیسا کہ

اُنھوں نے صحیح احادیث کے لیے مستقل کتب لکھی ہیں' لیکن کچھ ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں حسن احادیث کثرت سے موجود ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین کتب یہ ہیں

جامع ترمذی: جو سنن ترمذی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حسن حدیث کی پہچان میں اصل ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن حدیث کو اس کتاب میں شہرت بخشی ہے اور اس کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ لیکن خبردار رہنا چاہیے کہ حسن' صحیح اور اس جیسی اصطلاحات میں ترمذی کے نسخے مختلف ہیں اس لیے طالب حدیث کو کسی محقق اور معتبر نسخے کا اہتمام کرنا چاہیے جس کا قابل اعتماد ناصل سے مقابلہ اور موازنہ کیا گیا ہو۔

سنن ابی داوٗد: امام ابوداوٗد نے اپنے خط میں جو اُنھوں نے مکّہ والوں کو لکھا تھا' ذکر کیا ہے کہ میں اس سنن میں صحیح احادیث یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہیں ان کا ذکر کروں گا اور جس میں کوئی شدید ضعف ہو گا اسے بیان کروں گا اور جس کے بارے میں کوئی چیز ذکر نہ کروں وہ قابل احتجاج ہو گی' اس بنا پر جب ہم اس کتاب میں ایک حدیث پاتے ہیں جس کا ضعف اُنھوں نے بیان نہیں کیا اور معتمد علما نے اسے صحیح نہیں کہا تو وہ امام موصوف کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

سنن دار قطنی: امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں بہت سی احادیث کے حسن ہونے پر نص بیان کی ہے۔

صحیح لغیرہ

۱۔ **تعریف**: وہ حسن لذاتہ حدیث کہ جب اس جیسی یا اس سے قوی حدیث دوسری سند سے روایت کی جائے تو اس کا نام صحیح لغیرہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں صحت خود پہلی سند کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ وہ اس کے علاوہ دوسری سند کے ملنے سے آتی ہے۔

۲۔ **صحیح لغیرہ کا مرتبہ**: یہ حسن لذاتہ سے بلند مرتبہ ہوتی ہے لیکن صحیح لذاتہ سے نچلے درجے پر ہوتی ہے۔

۳۔ **صحیح لغیرہ کی مثال**: اس کی مثال یہ حدیث ہے

((محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی ھریرة ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ))

ترجمہ: اگر مجھے اُمت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(ترمذی کتاب الطھارة ورواہ الشیخان من طریق ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة)

ابن الصلاح نے کہا: محمد بن عمرو بن علقمہ صدق اور صیانت و حفاظت میں مشہور ہے لیکن یہ متقن راویوں میں سے نہیں ہے حتیٰ کہ بعض علما نے اسے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف کہا ہے جب کہ بعض نے اس کی سچائی اور عظمت کی وجہ سے اسے ثقہ کہا ہے۔ اس سبب سے اس کی حدیث حسن ہے جب اس سند سے وہ سندیں اور طریق ملیں جن سے یہ حدیث مروی ہے تو وہ کمی اور خوف زائل ہو گیا جس کا اس کے حافظے کی کمی کی وجہ سے ہمیں ڈر تھا اور اس طرح وہ تھوڑی سی کمی پوری ہو گئی تو یہ سند صحیح قرار پائی اور صحیح کے درجے کو پہنچ گئی (علوم الحدیث ص ۳۱، ۳۲)

حسن لغیرہ

۱۔ **تعریف**: وہ ضعیف حدیث جس کی سندیں زیادہ ہوں اور اس کے ضعیف ہونے کا سبب راوی کا فاسق یا کاذب ہونا نہ ہو۔

اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ ضعیف حدیث دو امور کی وجہ سے حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

(ا) وہ حدیث ایک یا زیادہ دوسری سندوں سے مروی ہو اور وہ سندیں پہلی سند جیسی یا اس سے قوی ہوں۔

(ب) اس حدیث کے ضعف کا سبب راوی کے حافظے کی کمزوری ہو یا سند میں انقطاع ہو یا کوئی راوی مجہول ہو۔

۲۔ **مقام و مرتبہ**: حسن لغیرہ حدیث حسن لذاتہ سے نچلے درجے میں ہوتی ہے تو اسی بنیاد پر جب حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ باہم متعارض ہوں تو حسن لذاتہ کو مقدم اور راجح سمجھا جائے گا۔

۳۔ **حکم**: یہ اس مقبول سے ہے جس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔

۴۔ **مثال**: وہ حدیث جسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔

((شعبة عن عاصم بن عبيدالله عن عبدالله بن عامر بن ربيعة عن ابيه اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ؟ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَ))

ترجمہ: بنو فزارہ قبیلے کی ایک عورت نے دو جوتوں پر (بطور حق مہر) نکاح کرایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اپنے بارے میں اس حال پر راضی اور خوش ہے تو وہ کہنے لگی ہاں تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا اور نافذ کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بارے میں حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہ اور حضرت ابو حدرد رضی اللہ عنہم سے مرویات موجود ہیں۔

مذکورہ سند میں عاصم راوی اپنے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف ہے' لیکن چونکہ یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہے' اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

محتف بالقرائن مقبول خبر واحد

۱۔ درستی' آسانی اور تمہید کے طور پر:

مقبول کی قسموں کے اختتام پر میں ان مقبول اخبار سے بحث کرتا ہوں جو محتف بالقرائن ہیں اور محتف بالقرائن سے مُراد وہ اخبار ہیں جن کا احاطہ کچھ زائد امور نے کیا ہے یا وہ زائد امور ان سے مقترن ہیں اور جو مقبول کو بطور شرطوں کے مطلوب ہیں۔

یہ زائد امور جب خبر واحد سے ملتے ہیں تو اسے قوت میں مزید بڑھاتے ہیں اور ان کی دوسری اخبار احاد پر خصوصیت قائم کرتے ہیں جو ان مزید قرائن سے خالی ہیں اور غیر پر اسے ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ محتف بالقرائن کی انواع:

خبر محتف بالقرائن کی چند انواع ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں :

1. وہ حدیث جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہو اور وہ تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو تو ایسی خبر کا چند قرائن نے احاطہ کیا ہے' جو یہ ہیں :
   - ا۔ اِس فن اور میدان میں بخاری و مسلم کی عظمت اور جلالت کا ہونا۔
   - ۲۔ اور یہ دونوں ائمہ اپنے غیر سے صحیح کی تمیز میں مقدم اور پیش پیش ہیں۔
   - ۳۔ علما کا ان دونوں کی کتابوں کو تلقی بالقبول کرنا۔

یہ تلقی بالقبول ایک ایسا قرینہ ہے جو زیادہ قوی ہے۔ علم کا فائدہ دینے میں بہ نسبت ان کے جو کثرتِ طرق سے ثابت ہیں لیکن تواتر کی حد سے قاصر ہیں۔

ب جب اس حدیث کے مختلف طرق اور سندیں ہوں اور وہ تمام کے تمام راویوں کے ضعف اور علل سے پاک ہوں۔

ج اسے مسلسل اور باہم لگاتار حافظ اور متقن و ضابط رواۃ نے بیان کیا ہو اس حیثیت سے کہ وہ غریب نہ ہو۔ جیسے :

وہ حدیث جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے' اور امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ کا دوسرا بھی کوئی شریک ہو۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں امام شافعی کا کوئی موافق اور شریک ہو۔

۳۔ محتف بالقرائن کا حکم:

اخبار احاد مقبول کی کوئی بھی قسم ہو تو خبر محتف بالقرائن اس سے راجح ہو گی۔ اگر خبر محتف بالقرائن کسی اور حدیث سے (جو محتف بالقرائن نہیں ہے) باہم متعارض ہو تو خبر محتف بالقرائن کو مقدم اور راجح سمجھا جائے گا۔

دوسری بحث

خبر مقبول کی تقسیم معمول بہ اور غیر معمول بہ کی طرف

خبر مقبول کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ معمول بہ ۲۔ غیر معمول بہ

علوم حدیث کی انواع میں سے اس سے دو انواع ہیں

۱۔ محکم و مختلف الحدیث

۲۔ ناسخ و منسوخ

محکم و مختلف الحدیث

۱۔ محکم کی تعریف:

لغوی تعریف: یہ اَحْکَمَ سے مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی اَتْقَنَ یعنی پختہ ہوا۔

اصطلاحی تعریف: وہ مقبول حدیث جو اپنی جیسی متعارض حدیث سے سلامت اور خالی ہو۔ اور اکثر احادیث اسی نوع سے ملتی ہیں۔ باقی متعارض اور مختلف احادیث مجموعی ذخیرہ احادیث کے لحاظ سے بہت کم ہیں۔

۲۔ مختلف الحدیث کی تعریف:

لغوی تعریف: یہ اختلاف مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو اتفاق کی ضد ہے۔ مختلف الحدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ احادیث جو ہم تک اس طرح پہنچتی ہیں کہ وہ معنی و مُراد میں ایک دوسرے سے متعارض اور مخالف ہیں یعنی معنی و مُراد میں ایک دوسرے کی متضاد اور اُلٹ ہیں۔

اصطلاحی تعریف: وہ مقبول حدیث جس کے مخالف اس جیسی حدیث موجود ہو لیکن ان

کے درمیان جمع اور موافقت ممکن ہو۔ یعنی وہ صحیح یا حسن حدیث کہ ایک دوسری حدیث جو مرتبہ اور قوت میں اس جیسی ہو وہ ظاہراً مفہوم میں اس کے مخالف ہو اور اس کی نقیض ہو۔ لیکن اہل علم اور روشن فہم حضرات کے لیے ممکن ہو کہ وہ ایک قابل قبول شکل میں ان دونوں کے معانی اور مدلولات کو جمع کر دیں۔

۳۔ **مختلف کی مثال:** ایک حدیث ہے

((لَا عَدْوَی وَلَا طِیَرَةَ))

کوئی بیماری متعدی نہیں اور فال بد لینا درست نہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور یہ متعارض ہے اس حدیث سے

((فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارُكَ مِنَ الْاَسَدِ))

"جذام کی بیماری والے سے اس طرح بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے۔"

جذام ایک بیماری ہے جس سے اعضا کمزور ہو کر گرنے لگتے ہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، ان کا ظاہر آپس میں متعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کرتی ہے جب کہ دوسری اسے ثابت کرتی ہے تو علما نے انہیں جمع کیا ہے اور ان کے معنوں میں متعدد طریقوں سے موافقت ڈالی ہے۔ یہاں میں وہ جمع ذکر کرتا ہوں جو حافظ ابن حجر نے پسند کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے

۴۔ **جمع کی کیفیت:** ان دونوں احادیث میں جمع کی کیفیت یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے اور غیر ثابت ہے جس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "لَا یُعْدِیْ شَیْئٌ شَیْئًا" (الترمذی کتاب القدر و احمد) کوئی چیز کسی چیز کو متعدی نہیں بناتی اور آپ کا وہ فرمان بھی ہے کہ جب آپ سے معارضہ کرتے ہوئے ایک اعرابی نے کہا کہ :

"بِاَنَّ الْبَعِیْرَ الْاَجْرَبَ یَكُوْنُ بَیْنَ الْاِبِلِ الصَّحِیْحَةِ فَیُخَالِطُهَا فَتَجْرَبُ"

تو آپؐ نے فرمایا ((فَمَنْ اَعْدَی الْاَوَّلَ)) کہ پہلے کو کس نے بیماری لگائی تھی۔

(بخاری کتاب الطب، صحیح مسلم، ابوداؤد، مسند امام احمد) مطلب واضح ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی

دوسرے اونٹ میں ابتدا میں بیماری پیدا کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے اونٹ کو لگائی تھی۔ باقی رہی بات مجذوم سے بھاگنے کے حکم کی تو یہ سدالذرائع (غلط عقیدہ کا راستہ بند کرنا) کے باب سے ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اس مجذوم کے پاس رہتا ہے اور تقدیراً من جانب اللہ اس وقت اسے بیماری لگ جاتی ہے تو وہ سمجھے گا کہ شاید مجھے اس نے بیماری لگائی ہے اور وہ بیماری کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھ لے گا جس کی نفی کی گئی ہے اور وہ گناہ میں واقع ہو گا اس لیے ایسے عقیدے سے اجتناب کے طور پر اسے مجذوم سے اجتناب کرنے کا حکم ملا کہ جس کے سبب وہ گناہ میں پڑ سکتا تھا۔

۵۔ جو شخص دو متعارض مقبول حدیثیں پاتا ہے اس پر کیا واجب ہے؟

اِس کے لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل مراحل سے گذرے :

ا۔ جب ان دونوں میں جمع ممکن ہو : دونوں کے درمیان جمع متعین ہو جائے تو ان دونوں احادیث پر عمل کرنا واجب ہو گا۔

ب۔ کسی بھی وجہ سے جمع ممکن نہ ہو : جب دونوں احادیث کے درمیان جمع ممکن نہ ہو تو اس وقت یہ صورت حال ہوگی

دونوں میں سے ایک کا نسخ معلوم ہو : تو ہم ناسخ کو مقدم کریں گے اور اس پر عمل کریں گے اور منسوخ کو چھوڑ دیں گے۔

اگر نسخ کا علم نہ ہو : اس وقت ان میں سے ایک کو دوسرے پر اسباب ترجیح میں سے کسی سبب کے ذریعے ترجیح دیں گے۔ ترجیح کے پچاس یا اس سے زیادہ اسباب ہیں۔ مرجوح کو ترک کرکے راجح پر عمل کریں گے۔

اگر ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو : ترجیح جو کہ نادر اور قلیل ہے۔

تو اس وقت دونوں پر عمل کرنے سے توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ ہمارے لیے ترجیح کا کوئی سبب نکل آئے۔

۶۔ اس فن کی اہمیت اور اس میں کامل کون ہے؟

یہ جمع بین الحدیثین علوم حدیث میں سے اہم ترین فن ہے جب کہ اس کی

پہچان و معرفت کے لیے تمام علما مجبور ہیں اور اس میں کامل اور ماہر صرف وہ ائمہ ہیں جو حدیث اور فقہ کو جمع کیے ہوئے ہیں اور وہ اصولی جو دقیق اور باریک معانی میں دور اندیش ہیں تو ان لوگوں پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے سوائے شاذ و نادر مقامات کے۔ اور متعارض دلائل نے علما کو مشغول اور مصروف رکھا ہے اور اسی میں ان کی قابلیت اور دقت فہم اور عمدہ اختیار و پسند کا اظہار ہوتا ہے' جیسا کہ اس میں بعض علما کے مواد و اسلوب نگارش کی تقلید کرنے والے کہ اُنھوں نے اس کی گہرائی میں غوطہ لگایا تو پھسل گئے۔

۷۔ اس فن میں مشہور ترین تصانیف:

أ اختلاف الحدیث : امام شافعی کی کتاب ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس بارے میں کلام کیا اور کتاب تصنیف کی ہے۔

ب تاویل مختلف الحدیث : ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم کی تصنیف ہے۔

ج مشکل الاثار : ابو جعفر احمد بن سلامہ امام طحاوی کی تصنیف ہے۔

ناسخ اور منسوخ حدیث

۱۔ نسخ کی تعریف:

لغوی تعریف: اس کے دو معانی ہیں۔

۱۔ "اَلْاِزَالَةُ" اسی سے ہے "نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِلَّ" سورج نے سائے کو زائل کر دیا۔

۲۔ "اَلنَّقْلُ" اس سے ہے "نَسَخْتُ الكِتَابَ" میں نے کتاب کو نقل کیا' تو گویا کہ ناسخ بھی منسوخ کو زائل کر دیتا ہے اور اسے دوسرے حکم کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: شارع کا اپنے پہلے حکم کو بعد میں نازل کردہ حکم کے ذریعے اٹھالینا اور زائل کر دینا۔

۲۔ اس کی اہمیت اور دشواری اور اس میں مشہور علما:

ناسخ اور منسوخ احادیث کی معرفت ایک اہم اور مشکل فن ہے۔

ناسخ کو منسوخ سے پہچاننے نے علما کو تھکا دیا ہے اور عاجز کر دیا ہے۔ اور اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے مشہور ترین امام شافعی ہیں۔ انہوں نے اس میدان میں کافی مہارت اور پیش قدمی کی اور ید طولیٰ حاصل کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن وارہ سے کہا جس وقت وہ مصر سے آیا تھا "کیا تو نے امام شافعی کی کتاب لکھی ہے؟" وہ کہنے لگا نہیں۔ کہا کہ تو نے تفریط سے کام لیا ہے' کیونکہ ہمیں مجمل اور مفسر اور ناسخ و منسوخ کا علم اس وقت ہوا جب امام شافعی کی صحبت اختیار کی۔

۳۔ ناسخ اور منسوخ کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟

ناسخ کی منسوخ سے پہچان درج ذیل امور میں سے ایک کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ خود تصریح فرما دیں: جیسا کہ بریدہ سے صحیح مسلم میں حدیث ہے "میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تو اب ان کی زیارت کیا کرو' بے شک وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔"

ب۔ صحابی بیان کرے: جیسا کہ "جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے رسول اللہ ﷺ کا دو امور میں سے آخری امر یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضوء نہیں کیا"۔

(اخرجہ اصحاب السنن)

ج۔ تاریخ کے ذریعے معلوم ہو: جیسے شداد بن اوس سے مروی ہے "اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ" (رواہ ابوداؤد) یہ حدیث منسوخ ہے' اس کی ناسخ ابن عباس کی یہ حدیث ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِحْتَجَمَ وَ هُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ" (مسلم)

تو شداد والی حدیث کے بعض طرق میں موجود ہے کہ یہ قصہ فتح مکہ کا ہے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔

د۔ اجماع کی دلالت: جیسے یہ حدیث ہے

"مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ" (رواہ ابوداؤد والترمذی)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اجماع اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے" اور اجماع نہ منسوخ کرتا ہے اور نہ منسوخ ہوتا ہے بلکہ ناسخ پر دال ہوتا ہے۔

۴۔ مشہور ترین تصنیفات:

ا "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی کی تصنیف ہے۔

ب "الناسخ والمنسوخ" امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

ج "تجرید الاحادیث المنسوخة" ابن الجوزی کی تصنیف ہے۔

"محمد بن قیس المصلوب عن عبیداللہ بن زحر عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ" (ایضاً)

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت سے ضعیف ترین سند یہ ہے :

"السدی الصغیر محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ سلسلۃ الذھب نہیں بلکہ سلسلۃ الکذب ہے (تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۸۱) یعنی یہ سونے کی زنجیر نہیں بلکہ جھوٹ کی کڑی ہے یا یہ صحیح سند نہیں بلکہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔

۴۔ **مثال:** امام ترمذی رحمہ اللہ نے حکیم اثرم کے طریق سے نقل کیا ہے۔

حکیم الاثرم عن ابی تمیمۃ الھجیمی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوْ اِمْرَاَةً فِیْ دُبُرِھَا اَوْکَاھِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ : جو حیض والی عورت کے پاس یا عورت کی دبر میں آیا یا کاھن کے پاس گیا تو اس نے شریعت محمدی کا انکار کیا۔

اس حدیث کو درج کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس حدیث کو صرف حکیم اثرم عن ابی تیمہ ھجیمی عن ابی ہریرۃ کی سند سے جانتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسکی سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے۔

(الترمذی مع شرح ج ۱ ص ۴۱۹)

میں کہتا ہوں اس کی سند میں حکیم اثرم راوی ہونے کی وجہ سے علما نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کے متعلق تقریب التھذیب میں فرماتے ہیں "فیہ لین" اس میں ضعف ہے۔

۵۔ **ضعیف حدیث بیان کرنے کا حکم:** محدثین وغیرہ کے نزدیک ضعیف احادیث اور جن کی سندوں میں تساھل ہے' ان کا ضعف بیان کیے بغیر بیان کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے بخلاف موضوع احادیث کے کہ ان کا موضوع ہونا بیان کیے بغیر انہیں بیان کرنا ناجائز ہے۔

پہلی بحث

”ضعیف“

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: قوی کی ضد ہے اور ضعف حسی اور معنوی ہوتا ہے لیکن یہاں پر ضعف معنوی مُراد ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ خبر جو حسن کی خوبی اور صفت کو جمع نہ کرپائے' حسن کی شرطوں میں سے کسی شرط کے مفقود ہونے کے ساتھ۔

البیقونی اپنے اشعار میں فرماتے ہیں

”ہر وہ چیز جو حسن کے رتبے سے قاصر ہو وہ ضعیف ہے جس کی بہت سی قسمیں ہیں“

۲۔ تفاوت: خبر کا ضعف راویوں میں موجود کمزوری کی شدت اور ضعف کی وجہ سے مختلف اور متفاوت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح میں تفاوت تھا بعض تو ضعیف ہیں اور بعض سخت ضعیف ہیں اور بعض اس سے بھی کمزور اور واہی ہیں اور بعض منکر ہیں اور اس کی سب سے بڑی قسم موضوع ہے۔ (علوم الحدیث ص ۸۹)

۳۔ ضعیف ترین سندیں: صحیح میں اصح الاسانید کی بحث گذری ہے' اس کی بنیاد پر علمانے ضعیف کی بحث میں ان اسانید کا ذکر کیا ہے جو ضعیف ترین ہیں اور امام حاکم نیشا پوری نے اوھی الاسانید کا بڑا مجموعہ ذکر کیا ہے بعض صحابہ' بعض جہات اور بعض علاقوں کی نسبت سے۔ میں امام حاکم کی کتاب اور بعض دوسری کتب سے چند مثالیں ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ضعیف ترین سند یہ ہے

”صدقه بن موسى الدقيقى عن فرقد السبخى عن مره الطيب عن ابى بكر“ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۷۱' ۷۲)

۲۔ شامیوں کی اسانید میں ضعیف ترین سند یہ ہے

"محمد بن قیس المصلوب عن عبیداللہ بن زحر عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ" (ایضاً)

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت سے ضعیف ترین سند یہ ہے:
"السدی الصغیر محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ سلسلة الذھب نہیں بلکہ سلسلة الکذب ہے (تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۸۱) یعنی یہ سونے کی زنجیر نہیں بلکہ جھوٹ کی کڑی ہے یا یہ صحیح سند نہیں بلکہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔

۴۔ مثال: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حکیم اثرم کے طریق سے نقل کیا ہے۔
حکیم الاثرم عن ابی تمیمة الھجیمی عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوْ اِمْرَاَةً فِیْ دُبُرِھَا اَوْکَاھِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔
ترجمہ: جو حیض والی عورت کے پاس یا عورت کی دبر میں آیا یا کاھن کے پاس گیا تو اس نے شریعت محمدی کا انکار کیا۔

اس حدیث کو درج کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اس حدیث کو صرف حکیم اثرم عن ابی تمیمہ ھجیمی عن ابی ہریرۃ کی سند سے جانتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسکی سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے۔

(الترمذی مع شرح ج ۱ ص ۴۱۹)

میں کہتا ہوں اس کی سند میں حکیم اثرم راوی ہونے کی وجہ سے علما نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کے متعلق تقریب التھذیب میں فرماتے ہیں "فیہ لین" اس میں ضعف ہے۔

۵۔ ضعیف حدیث بیان کرنے کا حکم: محدثین وغیرہ کے نزدیک ضعیف احادیث اور جن کی سندوں میں تساھل ہے' ان کا ضعف بیان کیے بغیر بیان کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے بخلاف موضوع احادیث کے کہ ان کا موضوع ہونا بیان کیے بغیر انہیں بیان کرنا نا جائز ہے۔

ا ان کا تعلق عقائد سے نہ ہو جیسے صفات باری تعالیٰ ہیں۔

ب حلال و حرام سے متعلق شرعی احکام کے بیان میں نہ ہوں۔

یعنی ضعیف احادیث کو وعظ و تقریر' ترغیب و ترہیب اور قصے و خطابات اور ان جیسے مواقع پر بیان کرنا جائز ہے اور جن علما سے ان کے بیان کرنے میں تساہل منقول ہے وہ سفیان ثوری' عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل ہیں۔

(علوم الحدیث ص ٩٣' الکفایہ ص ١٣٣)

اور متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر آپ ضعیف احادیث کو بغیر سند کے بیان کرتے ہیں تو پھر یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا بلکہ آپ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یوں بیان کیا جاتا ہے یا ہمیں آپ کے متعلق یوں پہنچا ہے یا اس جیسے الفاظ استعمال کریں تاکہ آپ پر اس حدیث کو بالجزم رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہنا لازم نہ آئے جس کے ضعف کو آپ جانتے ہیں۔

٦۔ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا حکم: ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں علما میں اختلاف ہے۔ جمہور علما کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا تین شرطوں کے ساتھ مستحب ہے (مستحب کی بجائے مباح کہنا زیادہ مناسب ہے۔ مترجم)

وہ تین شرطیں جنہیں حافظ ابن حجر نے واضح کیا ہے' یہ ہیں

ا ضعف شدید نہ ہو۔

ب وہ حدیث معمول بہ اصول و قواعد کے تحت درج ہو۔

ج عمل کرتے ہوئے اس کے ثبوت اور صحت کا اعتقاد نہ ہو بلکہ احتیاط کا عقیدہ ہو۔

(تدریب الراوی ج ١ ص ٢٩٨' ٢٩٩' فتح المغیث ج ١ ص ٢٦٨)

٧۔ مشہور ترین تصانیف: جو کہ ضعیف کا مقام و محل ہیں۔

ا وہ کتابیں جو ضعیف راویوں کے متعلق تصنیف کی گئی ہیں: جیسے ابن حبان کی کتاب الضعفاء ہے۔ ذہبی کی میزان الاعتدال ہے۔ اُنہوں نے ضعیف راویوں کی وجہ سے ضعیف قرار پانے والی احادیث بطور مثال درج کی ہیں۔

ب وہ کتابیں جو خاص طور پر ضعیف کی انواع کے بیان میں تصنیف کی گئی ہیں: جیسے

تیسری فصل

خبر مَردود

پہلی بحث: ضعیف کے بارے میں
دوسری بحث: اسناد میں سقوط راوی کی وجہ سے مردود
تیسری حدیث: راوی میں طعن کی وجہ سے مردود

خبر مَردود اور اُس کے مَردود ہونے کے اسباب

۱۔ مردود کی تعریف: جس کی خبر دینے والے (راوی) کا صدق راجح نہ ہو۔ اور یہ مقبول کی ایک یا زیادہ شرطوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جن کا بیان صحیح کی بحث میں گزرا ہے۔

۲۔ اس کی اقسام اور رد ہونے کے اسباب: علما نے خبر مردود کو بہت سی قسموں میں تقسیم کیا ہے اور ان قسموں میں سے اکثر پر ایک خاص نام کا اطلاق کیا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن پر خاص نام کا اطلاق نہیں کیا بلکہ عام نام سے ذکر کیا ہے جو ضعیف ہے۔

حدیث کے مردود ہونے کے بہت سے اسباب ہیں لیکن وہ بالجملہ دو بڑے بنیادی اسباب پر موقوف ہیں۔ (ا) اسناد میں سقوط۔ (ب) راوی میں طعن۔

ان دو اسباب کے تحت متعدد انواع و اقسام ہیں جن کے متعلق میں ان شاء اللہ مستقل اور مفصل بحثوں میں کلام کروں گا اور ابتدا ضعیف کی بحث سے ہے جو مردود کی نوع کیلئے ایک عام نام ہے۔

اور اس کتاب میں موجود مرویات بیان کرتا ہے۔)

علما حدیث نے انقطاع (سقوط) ظاہر کے تسمیہ پر محل انقطاع اور ساقط راویوں کی تعداد کے اعتبار سے چار اسموں کے ساتھ اصطلاح قائم کی ہے' جو یہ ہیں :

(۱) معلق (۲) مرسل (۳) معضل (۴) منقطع

ب۔ سقوط خفی : اسے صرف ماہر ائمہ جو حدیث کے طرق اور سندوں کی علل پر اطلاع رکھتے ہیں' وہی پا سکتے ہیں اور اس کی معرفت رکھتے ہیں۔ اس کے دو نام ہیں۔

(۱) مدلس (۲) مرسل خفی۔

ان چھ ناموں کی بحث بالترتیب پیش خدمت ہے۔

"معلق"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف : یہ علق سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی ایک چیز کا دوسری چیز سے رشتہ جوڑنا اور اس سے مربوط کرنا اور اسے معلق بنا دینا۔ اس سند کو معلق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اوپر والی بلند جہت سے متصل ہوتی ہے اور نیچے والی قریبی جہت سے منقطع ہوتی ہے' وہ ایسے ہو گئی جیسے کوئی شے چھت سے لٹکا دی جائے۔

اصطلاحی تعریف : جس سند کی ابتدا سے ایک یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہوں۔

۲۔ معلق کی صورتیں:

ا۔ مکمل سند حذف ہو تو پھر یوں کہا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا---

ب۔ صحابی کے علاوہ باقی ساری سند حذف ہو یا صرف صحابی یا تابعی مذکور ہوں باقی حذف ہو۔ (شرح النخبة ص ۴۲)

۳۔ معلق کی مثال : امام بخاری رحمہ اللہ نے **باب** ما یذکر فی الفخذ کے آغاز میں ذکر کیا ہے "وَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی غَطَّی النَّبِیُّ رُكْبَتَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ"

(بخاری کتاب الصلوۃ)

یہ معلق حدیث ہے کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کے علاوہ اس کی مکمل سند حذف کردی ہے' وہ صحابی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

۴۔ **معلق کا حکم**: معلق حدیث مردود اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں مقبول کی شرطوں میں سے ایک شرط اتصال سند مفقود ہے اس لیے کہ سند میں ایک یا زیادہ راوی حذف ہوتے ہیں' اب ان محذوف راویوں کے حالات کا علم نہیں ہے کہ وہ کیسے ہیں۔

۵۔ **صحیحین میں معلقات کا حکم**: معلق مردود ہے۔ یہ مطلق معلق کا حکم ہے لیکن جب ایک معلق حدیث اس کتاب میں پائی جائے جس میں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے جیسے صحیحین ہیں تو اس کا ایک خاص حکم ہوگا جیسا کہ صحیح کی بحث میں گذر چکا ہے' اسے دوبارہ ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں وہ یہ ہے کہ

ا جو معلق صیغہ جزم (معلوم صیغہ) سے ذکر ہو جیسے۔ قال' ذکر' حکی تو وہ مضاف الیہ تک (محذوف حصہ) صحیح ہے۔

ب جو صیغہ تمریض (مجہول صیغہ) سے ذکر ہو جیسے قیل' ذکر' حکی' تو اس کا مضاف الیہ تک (محذوف حصہ) پر صحیح کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان میں سے صحیح بھی ہوتی ہیں حسن بھی اور ضعیف بھی' لیکن اس میں کوئی سخت ضعیف نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس کتاب میں مذکور ہے جس کا نام صحیح ہے۔ ان میں سے صحیح کو غیر صحیح سے پہچاننے کے لیے اس حدیث کی سند پر بحث و تمحیص کی جائے گی اور اس کے مناسب حکم لگایا جائے گا۔

"مُرسل"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ اَرْسَلَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے' بمعنی چھوڑ دیا گویا کہ ارسال کرنے والا سند کو چھوڑ دیتا ہے اور اسے مطلق رکھتا ہے' کسی معروف راوی سے مقید نہیں کرتا۔

اصطلاحی تعریف : وہ حدیث جس کے آخر سند میں تابعی کے بعد انقطاع ہو اور راوی حذف ہوں۔ (نزھۃ النظر ص ۴۳)

۲۔ اس کی صورت : اس کی شکل یہ ہے کہ تابعی چھوٹا ہو یا بڑا وہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا یا یوں کیا یا آپ کی موجودگی میں ایسے کیا گیا۔ محدثین کے ہاں مرسل کی یہی شکل و صورت ہے۔

۳۔ مثال : وہ حدیث جو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب البیوع میں ذکر کی ہے "قال حدثنی مُحمد بن رافع ثنا حجین ثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نَہٰی عَن الْمُزَابَنَةِ" (مسلم کتاب البیوع)

(آنحضرت ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے)

سعید بن مسیب تابعی کبیر ہیں' اُنہوں نے حدیث نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے اور اپنے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان سے واسطہ ذکر نہیں کیا تو اس نے اس حدیث کی سند کا آخر جو تابعی کے بعد ہے منقطع اور محذوف کر دیا۔ اور یہ انقطاع کم از کم ایک صحابی کے حذف ہونے سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے صحابی کے ساتھ ساتھ کوئی اور راوی بھی حذف ہو مثلاً تابعی ہے۔

۴۔ فقہا اور اصولیوں کے نزدیک مرسل : مرسل کی جو صورت میں نے پہلے ذکر کی ہے وہ محدثین کے نزدیک تھی' باقی فقہا اور اصولیوں کے نزدیک مرسل (کا مفہوم) اس سے عام ہے' ان کے نزدیک ہر منقطع مرسل ہے' اس میں انقطاع جس طریقے سے بھی ہو۔ خطیب بغدادی کا یہی مسلک ہے۔

۵۔ مرسل کا حکم : مرسل اصل میں ضعیف ہے اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں مقبول کی شرطوں میں سے ایک شرط مفقود ہے جو کہ اتصال سند ہے اور محذوف راوی کی حالت بھی مجہول ہوتی ہے' احتمال ہوتا ہے کہ یہ محذوف راوی غیر صحابی ہو اور اس حالت میں احتمال ہے کہ وہ راوی ضعیف ہو۔

لیکن علماے محدثین اور دوسرے علما نے مرسل کا حکم اور اس سے حجت پکڑنے میں اختلاف کیا ہے کیونکہ انقطاع کی یہ قسم سند میں کسی بھی دوسرے انقطاع سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ اس سے ساقط ہونے والا راوی عموماً صحابی ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں' اس کی عدم معرفت (جہالت) مضر نہیں ہوتی۔

مجموعی اور اجمالی طور پر مرسل کے متعلق علما کے تین قول ہیں۔

ا۔ **ضعیف مردود**: جمہور محدثین اور بہت سے اصولیوں اور فقہا کے نزدیک مرسل ضعیف اور غیر مقبول ہے' اس کی دلیل محذوف راوی کی حالت کا مجہول ہونا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ وہ غیر صحابی ہو۔

ب۔ **صحیح اور قابل حجت بہ**: تین ائمہ ابو حنیفہ' مالک' احمد رحمہم اللہ اور علما کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل صحیح ہے اور اس سے حجت لی جائے گی بشرطیکہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو اور وہ ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ثقہ تابعی کے متعلق یقینی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ تب ہی کہے گا "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہ جب وہ ثقہ سے سنے گا۔

ج۔ **مشروط قابل قبول**: مرسل چند شرطوں کے ساتھ صحیح ہے' یہ امام شافعی اور بعض دوسرے اہل علم کے نزدیک ہے اور وہ شرطیں چار ہیں۔ تین کا تعلق ارسال کرنے والے راوی سے ہے اور ایک کا تعلق مرسل حدیث سے ہے۔ وہ شرطیں یہ ہیں:

۱۔ ارسال کرنے والا کبار تابعین میں سے ہو۔

۲۔ اور جب ارسال کرنے والا جس سے ارسال کرتا ہے اس کا نام لے تو ثقہ کا نام لے۔

۳۔ جب اس کی مشارکت حافظ اور مامون راوی کریں تو اس کی مخالفت نہ کرتے ہوں۔

ایسے ہی ان تین شروط کے ساتھ درج ذیل صفات میں سے ایک صفت بھی ملی ہو۔

ا۔ وہ حدیث ایک اور مسند طریق سے مروی ہو۔

۲۔ یا وہ حدیث ایک اور مرسل طریق سے مروی ہو' لیکن اسے مرسل وہ بیان کریں جنھوں نے پہلی مرسل حدیث کے رجال کے علاوہ دوسرے راویوں سے حصول عِلم کیا ہو۔

۳۔ یا وہ حدیث صحابی کے قول کے موافق ہو۔

۴۔ یا اس کے موافق اور مقتضی پر اکثر اہل عِلم نے فتویٰ دیا ہو۔

۵۔ یا اس کے موافق اور مقتضی پر اکثر اہل عِلم نے عمل کیا ہو۔

(الرسالۃ للشافعی ص ۴۶۱)

جب یہ شرائط ثابت اور محقق ہو جائیں تو مرسل حدیث کے مخرج و ماخذ اور اصل کی صحت واضح ہو جاتی ہے اور جو اس کے لیے معتمد و معاون ہو' اور معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صحیح ثابت ہیں۔

اگر ان دونوں کے معارض کوئی صحیح حدیث ایک سند سے آ جائے اور ان میں جمع بھی متعذر رہو تو ہم ان احادیث کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کے طرق و اسناد زیادہ ہیں۔

۶۔ **مرسل صحابی** : وہ روایت جس میں صحابی رسول اللہ ﷺ کے ایسے قول یا فعل کی خبر دے جسے اس نے نہ تو سنا ہو اور نہ ہی اس کا مشاہدہ کیا ہو یا تو اپنے صغر سنی کی وجہ سے یا پھر متاخر الاسلام ہونے کی وجہ سے یا پھر غائب رہنے کی وجہ سے۔ اس قسم کی بہت سی احادیث صغار صحابہ سے مروی ہیں جیسے ابن عباس' ابن زبیر و غیرھما رضی اللہ عنہم اجمعین

۷۔ **مرسل صحابی کا حکم** : جمہور علما کا قطعی اور مشہور و صحیح مذہب یہی ہے کہ مرسل صحابی صحیح ہے اور اس سے حجت پکڑی جائے گی کیونکہ صحابی کا تابعین سے روایت کرنا قلیل اور نادر ہے اور جب وہ تابعین سے روایت کرتے ہیں تو اسے واضح کرتے ہیں اور جب واضح نہ کریں اور یوں کہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ تو اصل یہی ہے کہ انھوں نے اس روایت کو دوسرے صحابی سے سنا ہے اور صحابی کا سند سے حذف کر دینا مضر اور نقصان دہ نہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صحابی کی مرسل کا حکم وہی ہے جو غیر صحابی کی مرسل کا حکم ہے لیکن یہ قول ضعیف اور غیر مقبول و مردود ہے۔

۸۔ مشہور ترین تصانیف:

أ مراسیل ابوداؤد کی تصنیف ہے۔
ب مراسیل ابن ابی حاتم کی تصنیف ہے۔
ج جامع التحصیل لاحکام المراسیل امام علائی کی تصنیف ہے۔

"معضل"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ اعضلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اس نے اسے تھکا دیا' عاجز کر دیا۔

اصطلاحی تعریف: وہ روایت جس کی سند سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف اور ساقط ہوں۔

۲۔ مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں اپنی سند سے قعنبی تک روایت کیا ہے اور قعنبی امام مالک سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا يُطِيْقُ.))

امام حاکم فرماتے ہیں یہ امام مالک سے معضل مروی ہے جسے اُنہوں نے موطا میں ایسے ہی معضل بیان کیا ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۴۶)

یہ حدیث معضل ہے کیونکہ اس کی سند میں امام مالک اور حضرت ابوہریرہؓ کے درمیان مسلسل دو راوی حذف ہیں اور اس میں مسلسل دو راویوں کا سقوط ہمیں مؤطا کے علاوہ دوسری دو سندوں سے معلوم ہوا جو اس طرح ہے

"عن مالك عن محمد بن عجلان عن ابيه عن ابی هريرة رضی الله عنه"
(معرفۃ علوم الحدیث ص ۴۷)

۳۔ **معضل کا حکم:** معضل حدیث ضعیف ہے اور یہ مرسل اور منقطع سے بھی خستہ اور بری حالت میں ہے کیونکہ اس کی سند میں محذوف راوی زیادہ ہوتے ہیں۔ (الکفایہ ص ۲۱' تدریب ج ۱ ص ۲۹۵) معضل کے ضعیف ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

۴۔ معلق کی بعض صورتوں کے ساتھ اس کا جمع ہونا:

معلق اور معضل کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

أ معلق کے ساتھ معضل ایک صورت میں مجتمع ہوتی ہے جو یہ ہے کہ سند کی ابتدا میں مسلسل اور لگاتار راوی حذف ہوں تو وہ بیک وقت معضل بھی ہوتی ہے اور معلق بھی۔

ب دو صورتوں میں معضل معلق سے جدا ہوتی ہے۔

۱۔ جب سند کے درمیان سے لگاتار دو راوی حذف ہوں تو وہ معضل ہے معلق نہیں۔

۲۔ جب سند کے شروع سے صرف ایک راوی حذف ہو تو وہ معلق ہے معضل نہیں۔

۵۔ **معضل کے مقامات:** امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں معضل' منقطع اور مرسل کے مقامات میں یہ دو کتابیں ہیں۔ (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۱۴)

أ کتاب السنن سعید بن منصور کی ہے۔

ب ابن ابی الدنیا کی تصنیفات و تالیفات۔

"منقطع"

۱۔ تعریف:

۱۔ **لغوی تعریف:** یہ انقطاع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ اتصال کی ضد ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ روایت جس کی سند متصل نہ ہو یہ انقطاع کسی بھی وجہ سے ہو

۲۔ **تعریف کی تشریح:** یعنی ہر وہ سند جس کے کسی بھی مقام پر انقطاع ہو خواہ انقطاع ابتدائے سند میں ہو یا آخر سند میں یا وسط میں ہو۔ اس معنی میں اس تعریف میں مرسل، معلق اور معضل بھی داخل ہیں مگر اصول حدیث کے متاخرین علما نے منقطع کو ایسی تعریف سے خاص کیا ہے جس سے مرسل، معلق اور معضل کی صورت میں موافقت و مطابقت نہیں رہتی اور متقدمین علما کا بھی اکثر استعمال ایسے ہی تھا اسی وجہ سے امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے منقطع کا اکثر استعمال اس کی روایت پر ہوتا ہے جو تابعی سے نیچے طبقے میں سے ہو اور صحابی سے بیان کرے جیسے مالک عن ابن عمرؓ (التقریب مع التدریب ج ۱ ص ۲۰۸)

۳۔ **متاخرین اہل حدیث کے نزدیک منقطع:** وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو اس طرح کہ اس کو مرسل یا معلق یا معضل کا نام شامل نہ ہو گویا منقطع ایک عام نام ہے سند میں ہر قسم کے انقطاع کے لیے سوائے انقطاع کی تین صورتوں کے، جو یہ ہیں۔

آغاز سند کا حذف ہونا یا سند کے آخر کا حذف ہونا یا کسی بھی جگہ سے لگاتار دو راویوں کا حذف ہونا۔ یہی راہ ہے جس پر حافظ ابن حجر نخبہ اور شرح نخبہ میں چلے ہیں۔

پھر کبھی انقطاع سند کے ایک مقام پر ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زیادہ مقامات پر مثلاً اس طرح کہ انقطاع دو یا تین مقامات پر ہو۔

۴۔ **مثال:** وہ حدیث جیسے عبدالرزاق نے ثوری سے عن ابی اسحاق عن زید بن یثیع عن حذیفہ مرفوع بیان کیا ہے:

"اِنْ وَلَّیْتُمُوْھَا اَبَا بَکْرٍ فَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ" کہ اگر تم والی ابوبکر کو بناؤ گے تو وہ طاقت ور اور امین ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی معرفۃ علوم الحدیث ص ۔ ۳۶)

اس حدیث کی سند کے درمیان میں ایک راوی شریک، ثوری اور ابو اسحاق کے درمیان سے حذف ہے جب کہ ثوری نے ابواسحاق سے مباشرۃً یا مشافھۃً سماع حدیث نہیں کیا بلکہ اس نے شریک سے سماع کیا ہے اور شریک نے ابو اسحاق سے حدیث سنی ہے۔ یہ ایسا انقطاع ہے جس پر مرسل یا معلق یا معضل کا نام صادق نہیں آتا تو یہ منقطع ہے۔

۵۔ **منقطع کا حکم**: علما کا اتفاق ہے کہ منقطع ضعیف ہے اس لیے کہ محذوف راوی کی حالت نامعلوم اور مجہول ہوتی ہے۔

"مدلس"

۱۔ تدلیس کی تعریف:

لغوی تعریف: مدلس تدلیس سے اسم مفعول کا صیغہ ہے لغت میں تدلیس کہتے ہیں سامان کے عیب کو خریدار سے پوشیدہ رکھنا۔ تدلیس اصل میں دلس سے مشتق ہے۔ دلس کے معنی اندھیرا یا اندھیروں کا خلط ملط ہونا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔ (قاموس ج ۲ ص ۲۲۴)

چونکہ مدلس (تدلیس کرنے والا) حدیث پر واقفیت اور خبر رکھنے والے سے اپنے معاملے کو تاریک رکھتا ہے یعنی چھپالیتا ہے اس لیے اس کی حدیث کو مدلس کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: سند میں عیب کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا اور اس کے ظاہر کو اچھا یا حسین پیش کرنا۔

۲۔ تدلیس کی قسمیں:

تدلیس اسناد اور تدلیس شیوخ، تدلیس کی دو بڑی اور بنیادی قسمیں ہیں۔

۳۔ تدلیس اسناد:

علمائے حدیث نے تدلیس کی اس نوع کی مختلف تعریفیں کی ہیں، میں اپنی سوچ کے مطابق ان میں سے صحیح ترین اور عمدہ تعریف منتخب کرتا ہوں جو کہ دو اماموں "ابو احمد بن عمرو البزار" اور ابو الحسن بن القطان کی بیان کردہ تعریف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے

۱۔ **تعریف**: راوی حدیث اس استاذ سے بیان کرے جس سے اس نے یہ حدیث سنی نہیں اس کو ذکر کیے بغیر جس سے اس نے یہ حدیث سنی ہے۔ (شرح الفیتہ العراقی ج ۱ ص ۱۸۰)

ب۔ **تعریف کی وضاحت**: اس تعریف کے معنی یہ ہیں کہ تدلیس اسناد یہ ہے کہ راوی اپنے اس شیخ سے حدیث بیان کرے جس سے اس نے بعض احادیث سنی ہیں لیکن

یہ حدیث جس میں تدلیس کر رہا ہے اسے اس نے اس شیخ سے نہیں سنا۔ بلکہ یہ حدیث اس نے کسی اور استاد سے سنی ہے لیکن اس استاد کو حذف کر دیتا ہے اور ایسے لفظ سے بیان کرتا ہے جس میں سماع وغیرہ کا احتمال ہو مثلاً قال اور عن ہے۔ دوسروں کو یہ باور کراتا ہے کہ اس نے یہ حدیث اس سے سنی ہے۔ لیکن صراحت نہیں کرتا کہ میں نے استاذ سے یہ حدیث سنی ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ سمعت (میں نے سنا) یا حدثنی (اس نے مجھے حدیث بیان کی) تاکہ اس طرح وہ جھوٹا نہ بن جائے۔ پھر بعض اوقات حذف شدہ راوی ایک ہوتا ہے اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔

ج۔ **تدلیس اسناد اور ارسال خفی کے درمیان فرق**: ابوالحسن بن القطان نے تدلیس کی مذکورہ تعریف کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کے اور ارسال کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارسال میں راوی اس شیخ سے روایت کرتا ہے جس سے اس نے سنا ہی نہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مدلس ہو یا مرسل' ان میں سے ہر ایک شیخ سے وہ چیز بیان کرتا ہے جو اس سے سنی نہیں ہوتی' ان لفظوں کے ساتھ جو سماع وغیرہ کا احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن مدلس نے اس شیخ سے تدلیس والی حدیث کے علاوہ احادیث سنی ہوتی ہیں جب کہ ارسال خفی کرنے والے نے اس شیخ سے کچھ بھی نہیں سنا ہوتا۔ نہ ارسال والی حدیث اور نہ دوسری احادیث۔ صرف اس کا ہم عصر ہوتا ہے یا ملاقات کی ہوتی ہے۔

د۔ **اس کی مثال**: وہ روایت ہے جسے امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ علی بن خشرم کے طریق سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں ہمیں ابن عیینہ نے زہری سے بیان کیا۔ ابن عیینہ سے پوچھا گیا کہ تم نے زہری سے سنا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ نہ زہری سے سنا ہے اور نہ اس سے جس نے زہری سے بیان کیا ہے' مجھے عبدالرزاق نے معمر سے بیان کیا اور معمر نے زہری سے بیان کیا۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۳۰) تو اس مثال میں ابن عیینہ نے اپنے اور زہری کے درمیان سے دو راویوں کو حذف کر دیا۔

۲۔ **تدلیس تسویہ**:

تدلیس کی یہ قسم حقیقت میں تدلیس اسناد کی ایک قسم ہے۔

ا۔ تعریف: راوی اپنے شیخ سے بیان کرے اور آگے دو ثقہ راویوں کے درمیان موجود ضعیف راوی کو ساقط کر دے جب کہ ان ثقہ راویوں کی آپس میں ملاقات ثابت ہو' اس کی شکل یہ ہے کہ راوی ثقہ شیخ سے حدیث روایت کرتا ہے اور یہ ثقہ ایک ضعیف سے روایت کرتا ہے اور پھر یہ ضعیف ثقہ سے روایت کرتا ہے اور یہ دو ثقہ آپس میں ملاقات کر چکے ہیں' تو مدلس جس نے پہلے ثقہ سے حدیث سنی آ کر سند سے ضعیف کا واسطہ حذف کر دیتا ہے اور سند میں پہلے ثقہ کو دوسرے ثقہ سے ملا دیتا ہے اور محتمل لفظ استعمال کر کے مکمل سند کو برابر ثقہ راویوں سے بیان کرتا ہے۔

تدلیس کی قسموں میں سے یہ سب سے بری اور قبیح قسم ہے کیونکہ کبھی پہلا ثقہ راوی تدلیس میں معروف نہیں ہوتا تو اس طرح برابری سند کے بعد سند پر اطلاع پاتے والا کبھی اس کو دوسرے ثقہ سے بیان کر کے اس پر صحت کا حکم لگا دیتا ہے جس میں بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔

ب۔ ایسا کرنے میں مشہور لوگ (راوی):

ا۔ بقیۃ بن الولید۔ ابو مسہر کہتے ہیں بقیہ کی احادیث صاف اور منقح نہیں ہیں۔ اس لیے اس سے بچو اور خبردار رہو۔ (میزان الاعتدال ج ا ص ۳۳۲)

۲۔ الولید بن مسلم۔

ج۔ **تدلیس تسویہ کی مثال:** جو ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب العلل میں بیان کی ہے' کہتے ہیں "میں نے اپنے باپ سے سنا۔ اور وہ حدیث بیان کی جسے اسحاق بن راھویہ نے بقیہ سے بیان کیا ہے' اس نے کہا مجھے ابو وھب الاسدی نے نافع سے بیان کیا' وہ ابن عمر سے وہ حدیث بیان کرتے ہیں:

((لَا تُحَمِّدُوْا اِسْلَامَ الْمَرْءِ حَتّٰی تَعْرِفُوْا عَقِدَةَ رَاْیِهٖ)) میرے باپ نے کہا کہ اس حدیث کی حقیقت کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اس حدیث کو عبیداللہ بن عمرو نے اسحاق بن ابی فروہ سے' وہ نافع سے' وہ ابن عمر سے' وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

تو عبیداللہ بن عمرو ثقہ ہے' اسحاق بن ابی فروہ ضعیف ہے' نافع ثقہ ہے۔

عبیداللہ بن عمرو کی کنیت ابو وھب ہے اور وہ اسدی ہے تو بقیہ نے اس کی کنیت بیان کی اور اسے بنو اسد کی طرف منسوب کر دیا تاکہ اسے کوئی بھی سمجھ نہ سکے تاکہ

جب وہ درمیان سے اسحاق بن ابی فروہ کو حذف کر دے گا تو کوئی بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔ (شرح الالفیہ ج ۱ ص ۱۹۰، التدریب ج ۱ ص ۲۲۵)

۵۔ تدلیس شیوخ:

ا۔ تدلیس شیوخ کی تعریف: راوی اپنے شیخ سے وہ حدیث بیان کرتا ہے جو کہ اس نے اس سے سنی ہوتی ہے لیکن اسے (شیخ کو) اس نام یا کنیت یا نسب یا وصف سے بیان کرتا ہے جس کے ساتھ وہ معروف نہیں ہوتا، تا کہ وہ (شیخ) پہچانا نہ جا سکے۔ (علوم الحدیث ص ٦٦)

ب۔ تدلیس شیوخ کی مثال: ابوبکر بن مجاہد کا قول جو کہ قراء کے ائمہ میں سے ایک ہیں حدثنا عبداللّٰہ بن ابی عبداللّٰہ اور اس سے ان کی مراد "ابوبکر بن ابی داؤد بجستانی" ہیں۔

٦۔ تدلیس کا حکم:

ا۔ تدلیس اسناد: تدلیس اسناد بہت ہی زیادہ مکروہ اور انتہائی مذموم ہے۔ اکثر علما نے اس کی مذمت کی ہے اور شعبہ اس کی مذمت میں پیش پیش ہیں انھوں نے اس کے متعلق کئی اقوال بیان کیے ہیں، ایک یہ ہے کہ "التدلیس اخو الکذب" کہ تدلیس کرنا جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔

ب۔ تدلیس شیوخ: یہ تدلیس اسناد کی نسبت ہلکی اور خفیف ہے، کیونکہ اس میں مدلس کسی کو ساقط نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اس میں کراہت مروی عنہ (حدیث) کے ضائع کرنے کے سبب اور سامع یعنی سننے والے پر اس کی معرفت اور پہچان کے راستے کو دشوار بنانے کے سبب سے پائی جاتی ہے، اس لیے اس تدلیس پر ابھارنے والے سبب کے مختلف ہونے سے اس کے مکروہ ہونے کی حالت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔

ج۔ تدلیس تسویہ: یہ تدلیس اسناد سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے یہاں تک کہ عراقی کہتے ہیں جو اس کا عمداً اور جان بوجھ کر ارتکاب کرتا ہے، یہ اس میں عیب کا سبب ہے اور

جارح ہے۔

۷۔ تدلیس پر آمادہ کرنے والے اغراض و مقاصد:

أ تدلیس شیوخ پر آمادہ کرنے والے مقاصد چار ہیں:

۱۔ شیخ کا ضعیف ہونا یا اس کا غیر ثقہ ہونا۔

۲۔ اس کی وفات کا موخر ہونا اس طرح کہ اس شیخ سے سماع کرنے میں اس راوی کی مشارکت اس سے چھوٹی اور کم درجے کی جماعت کر رہی ہو۔

۳۔ شیخ کا چھوٹی عمر کا ہونا (صغر سنی) اس طرح کہ وہ اس راوی سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔

۴۔ اس سے روایت کرنے کی کثرت۔ یعنی اس سے بہت سی احادیث بیان کرتا ہے۔ اس لیے کثرت سے اس کے نام کو ایک ہی شکل و صورت میں بیان کرنا پسند نہیں کرتا۔

ب تدلیس اسناد پر ابھارنے والے مقاصد پانچ ہیں:

۱۔ سند کے عالی ہونے کا وہم دلانا۔

۲۔ جس شیخ سے لمبی حدیث سنی اب اس سے کچھ حصے کا فوت ہو جانا۔

۳، ۴، ۵ پہلے تین مقاصد جو کہ تدلیس شیوخ میں مذکور ہیں۔

۱۔ شیخ کا ضعیف یا غیر ثقہ ہونا۔ ۲۔ اس کی وفات کے موخر ہونے کے سبب سے کم درجے اور چھوٹی جماعت کا شریک روایت ہونا۔ ۳۔ شیخ کی صغر سنی یا کم عمر کا ہونا۔

۸۔ مدلس کی مذمت کے اسباب: مدلس کی مذمت کے تین اسباب ہیں۔

۱۔ جس سے سنا نہیں، اس سے سماع کا وہم دلانا۔

۲۔ کشف و بیان اور وضاحت سے پھر کر اور عدول کر کے احتمال کی راہ اختیار کرنا۔

۳۔ اس کا جاننا اور علم رکھنا اس طرح کہ اگر وہ اس راوی کا نام لے گا، جس سے وہ تدلیس کر رہا ہے تو یہ پسندیدہ نہ ہو گا۔ (الکفایہ ص ۳۵۸)

۹۔ مدلس کی روایت کا حکم: مدلس کی روایت کے قبول کرنے میں علما نے کئی

اقوال پر اختلاف کیا ہے' زیادہ مشہور دو قول ہیں۔

۱۔ مدلس کی روایت مطلقاً مردود و غیر مقبول ہے اگرچہ وہ سماع کی صراحت کرے کیونکہ خود تدلیس ایک جرح ہے یعنی وہ راوی کو ضعیف کر دیتی ہے۔ (یہ قول غیر معتمد ہے)

۲۔ اس میں تفصیل ہے (یہ قول صحیح ہے)

ا اگر سماع کی صراحت کرے تو اس کی روایت قبول ہو گی یعنی اگر وہ "سمعت" یا اس طرح کا کوئی لفظ کہے تو اس کی روایت قبول ہو گی۔

ب اگر سماع کی صراحت نہ کرے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ یعنی اگر وہ "عن" یا اس جیسا کوئی لفظ کہے تو اس کی روایت قبول نہ ہو گی۔ (علوم الحدیث ص ۶۷'۶۸)

۱۰۔ تدلیس کس طرح پہچانی جائے گی: تدلیس دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے پہچانی جاتی ہے۔

ا پوچھنے پر مدلس خود خبر دے جیسا کہ ابن عیینہ کی عادت تھی۔

ب اس فن کے علما میں سے کسی کا نص بیان کرنا اس بنیاد پر کہ یہ امام بحث و تحقیق کی وجہ سے اس کی معرفت رکھتا ہے۔

۱۱۔ تدلیس اور مدلسین کے بارے میں مشہور ترین تصانیف:

تدلیس اور مدلسین کے متعلق بہت سی تصانیف موجود ہیں' مشہور یہ ہیں:

ا خطیب بغدادی کی تین تصانیف: ایک مدلسین کے اسما کے متعلق ہے جس کا نام "التبیین لاسماء المدلسین" ہے (الکفایہ ص ۳۶۱) اور دوسری دو تدلیس کی انواع میں سے ایک نوع پر ہے۔ (الکفایہ ص ۳۵۷)

ب التبیین لاسماء المدلسین" یہ برہان الدین بن الحلبی کی تصنیف ہے (یہ طبع ہو چکی ہے)

ج "تعریف احوال التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس" یہ حافظ ابن حجر کی تصنیف ہے۔ (یہ طبع ہو چکی ہے)

”مُرسل خفی“

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: مرسل ' ارسال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اطلاق ' آزاد کرنا اور چھوڑ دینا گویا کہ مرسل سند کو رہا کر دیتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے اور اسے موصول بیان نہیں کرتا۔ اور ”خفی“ جلی کی ضد ہے اس لیے کہ ارسال کی یہ قسم ظاہر نہیں ہوتی اور بغیر بحث و تحقیق کے اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

اصطلاحی تعریف: راوی اس سے حدیث بیان کرے جس سے اس کی ملاقات ہو یا اس کا ہم عصر ہو' لیکن جو حدیث بیان کر رہا ہے وہ اس سے نہیں سنی۔ تاہم وہ ایسا لفظ بولتا ہے جس میں سماع اور غیر سماع کا احتمال ہو جیسے قال وغیرہ۔

۲۔ مثال:

وہ حدیث جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے بواسطہ عمر بن عبدالعزیز عن عقبہ بن عامر مرفوعاً بیان کرتے ہیں ”رَحِمَ اللّٰهُ حَارِسَ الْحِرْسِ“ (ابن ماجہ کتاب الجھاد)

ترجمہ: اسلام کے چوکیداروں کی پہرے داری کرنے والے پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

اب عمر بن عبدالعزیز راوی یقیناً عقبہ بن عامر سے نہیں ملا جیسا کہ امام مزی نے اپنی کتاب ”اطراف“ میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ مُرسل خفی کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟

ارسال خفی کی پہچان تین اُمور میں سے ایک کے ذریعے ہوتی ہے۔

ا بعض ائمہ کا نص بیان کرنا کہ فلاں راوی جس سے بیان کر رہا ہے' اُس سے اِس کی ملاقات نہیں ہے یا اِس کا اُس سے مطلقاً سماع ثابت نہیں ہے۔

ب وہ خود اپنے متعلق بتائے کہ میں جس سے حدیث بیان کر رہا ہوں' اس سے ملاقات نہیں ہے یا اس سے کچھ بھی نہیں سنا۔

ج یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہو جس میں اس راوی اور مروی عنہ کے

درمیان ایک راوی کی زیادتی ہو۔

اس تیسرے امر میں علما کا اختلاف ہے کیونکہ اس چیز کا بعض اوقات "المزید فی متصل الاسانید" سے تعلق ہوتا ہے۔

۴۔ **مُرسل خفی کا حکم**: یہ ضعیف ہے کیونکہ اس کا تعلق منقطع سے ہے' جب اس کا انقطاع ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم منقطع والا ہو گا۔

۵۔ اس کے متعلق مشہور ترین تصانیف:

"کتاب التفصیل لمبهم المراسیل" یہ خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

"معنعن و مؤنن"

۱۔ **تمہید**: مَردود حدیث کی چھ قسمیں ختم ہو چکی ہیں جن کے مَردود ہونے کا سبب اسناد سے راوی کا سقوط اور گرنا تھا۔ لیکن معنعن اور مؤنن مختلف فیہ قسمیں ہیں کہ یہ منقطع کی انواع سے ہیں یا متصل کی' اس لیے میں نے ان کا الحاق مَردود کی قسموں سے کرنا مناسب سمجھا کیونکہ ان کا سبب بھی اسناد سے راوی کا سقوط ہے۔

۲۔ معنعن کی تعریف:

لغوی تعریف: یہ عن عن سے مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اس نے عن عن کہا ہے۔

اصطلاحی تعریف: راوی کا یہ کہنا کہ "فلاں عن فلاں"

۳۔ **معنعن کی مثال**: وہ حدیث جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں

((حدثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا معاویة بن هشام ثنا سفیان عن اسامة بن زید عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ و مَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلٰی مَیَامِنِ الصُّفُوْفِ.))

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے اور دُعائیں کرتے ہیں صفوں

کی دائیں اطراف پر۔ (ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة والسنة)
(سفیان سے لے کر آخر سند تک ہر راوی عن سے بیان کر رہا ہے)

۴۔ کیا یہ متصل کی قسم ہے یا منقطع کی؟

اس میں علما کے دو قول ہیں :

أ کہا جاتا ہے کہ یہ منقطع ہے یہاں تک کہ اس کے متصل ہونے کی صراحت آ جائے۔

ب جو جمہور اصحاب حدیث' اصحاب فقہ اور اصولیوں کا قول ہے یہی صحیح قول ہے اور اسی پر عمل چل رہا ہے کہ یہ چند شروط کے ساتھ متصل کہلاتی ہے جس میں سے دو شرطوں پر اتفاق ہے باقی شرطوں میں اختلاف ہے۔

وہ شرائط جن کے ہونے پر اتفاق ہے اور جن پر امام مسلم نے اکتفا کیا ہے' یہ ہیں :

۱ عن عن کہنے والا مدلس نہ ہو۔

۲ ان راویوں میں سے بعض کی بعض سے ملاقات ممکن ہو۔ یعنی عن عن کہنے والے کا لقا اس سے ممکن ہو جس سے وہ عن عن سے بیان کر رہا ہے۔

باقی وہ شرائط جن کے موجود ہونے میں اختلاف ہے' وہ مذکورہ دو شرطوں کے علاوہ مزید بیان ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں :

ا۔ ملاقات کا ثابت ہونا: ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہو خواہ ایک مرتبہ ہی ہو۔ یہ امام بخاری' علی بن مدینی اور دیگر محققین علما کا قول ہے۔

۲۔ صحبت کا طویل ہونا: یعنی لمبا زمانہ اس کے ساتھ رہا ہو اور اس کی صحبت اختیار کی ہو۔ یہ ابوالمظفر السمعانی کا قول ہے۔

۳۔ وہ اس سے روایت کرنے میں معروف ہو: اور یہ ابو عمرو الدانی کا قول ہے۔

۵۔ مؤنن کی تعریف:

لغوی تعریف: اَنَّنَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے' اس معنی میں کہ وہ اَنَّ اَنَّ کہے۔

اصطلاحی تعریف: راوی کا یہ کہنا کہ حدثنا فلان ان فلانا قال ----

۶۔ مؤنن کا حکم: امام احمد اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ منقطع ہے حتی کہ اس کا اتصال واضح ہو جائے۔ جبکہ جمہور علما کا قول ہے کہ اَنْ عَنْ کی طرح ہے اور اس کا مطلق آ جانا مذکورہ شروط کے ہوتے ہوئے سماع پر محمول ہو گا۔

تیسری بحث

راوی میں طعن کے سبب مردود

۱۔ راوی میں طعن سے مُراد: راوی میں طعن سے مُراد یہ ہے کہ کسی نے زبان سے اس پر جرح کی ہو۔ اور اس میں عدالت اور دین کے پہلو سے گفتگو کا پایا جانا۔ اور ایسے ہی اس کے ضبط و حفظ اور تیقظ و بیدار مغزی کے پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہو۔

۲۔ راوی میں طعن کے اسباب: راوی میں طعن کا سبب دس چیزیں ہوتی ہیں۔ پانچ کا تعلق عدالت راوی سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ---!

ا۔ وہ اسباب جن کا تعلق عدالت سے ہے' وہ یہ ہیں :

(۱) جھوٹ (۲) جھوٹ کی تہمت (۳) فسق (۴) بدعت (۵) جہالت

ب۔ وہ اسباب جن کا تعلق ضبط سے ہے' وہ یہ ہیں :

۱۔ فحش الغلط : غلطیاں کثرت سے کرتا ہو اور نہ ہونے والی غلطیاں کرتا ہو۔

۲۔ سوءِ الحفظ : اس کا حافظہ کمزور ہو یا وہ خلط ملط کرتا ہو۔

۳۔ الغفلة : روایت کرنے میں غفلت سے کام لیتا ہو اہتمام نہ کرتا ہو۔

۴۔ کثرۃ الاوھام : وہم بہت زیادہ کرتا ہو۔

۵۔ مخالفة الثقات : ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو۔

اب میں ترتیب سے مَردود حدیث کی انواع ذکر کرتا ہوں' اور ابتدا اس سبب سے کرتا ہوں جو کہ طعن میں زیادہ سخت اور قوی ہے۔

"موضوع"

جب راوی میں طعن کا سبب رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا ہو تو اس کی حدیث موضوع کہلاتی ہے۔

۱۔ موضوع کی تعریف:

لغوی تعریف: یہ وضع الشیئ سے ماخوذ ہے' اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں اس نے اسے گرا دیا اور مٹا دیا۔ موضوع روایت کو موضوع اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے رتبے سے گر جاتی ہے اور پستیوں میں چلی جاتی ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ بنایا اور گھڑا ہوا جھوٹ جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔

۲۔ موضوع کا رتبہ: یہ ضعیف روایات میں سے سب سے بری اور قبیح قسم ہے۔ بلکہ بعض علما نے اسے ایک مستقل بالذات قسم قرار دیا ہے اور اسے ضعیف روایات کی انواع میں شمار نہیں کیا۔

۳۔ موضوع کو بیان کرنے کا حکم: علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی روایت کی حالت کو جاننے والے کے لیے اس کا بیان کرنا جائز اور حلال نہیں خواہ وہ کسی معنی میں بھی ہو۔ ہاں اس کے موضوع ہونے کو بیان کر کے ذکر کر سکتا ہے کیونکہ صحیح مسلم میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے (میری طرف منسوب کر کے) کوئی حدیث بیان کی حالانکہ اسے معلوم ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ (مقدمہ مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۶۲)

۴۔ حدیث بنانے میں وضاعین کے اسلوب اور طریقے:

(ا) کبھی واضع اپنی طرف سے کلام بناتا ہے' پھر اس کی سند بناتا ہے اور بیان کر دیتا ہے۔

(ب) کبھی کسی حکیم و دانشور یا کسی اور کا کلام لے کر اس کی سند بنا کر بیان کرتا ہے۔

۵۔ موضوع حدیث کی پہچان: یہ جن چند طریقوں سے پہچانی جاتی ہے' وہ یہ ہیں :

ا۔ خود بنانے والے کا اقرار کرنا: یعنی واضع خود اقرار کرے کہ میں نے یہ حدیث خود بنائی ہے جیسے ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے اقرار کیا کہ اس نے قرآنی سورتوں میں سے ہر ایک سورت کی الگ الگ فضیلت میں خود حدیث وضع کی ہے جو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتا ہے۔

ب۔ واضع ایسی بات کرے جو اقرار شمار ہوتی ہو: اس طرح کہ وہ کسی شیخ سے حدیث بیان کرے۔ جب اس سے اس شیخ کی تاریخ پیدائش پوچھی جائے تو وہ اس کی تاریخ وفات سے بھی بعد کی تاریخ بیان کرے اور وہ حدیث صرف اس سے مروی اور مشہور ہو۔

ج۔ راوی سے متعلق کوئی قرینہ ہو: مثلاً راوی رافضی ہو اور اہل بیت کی فضیلت میں حدیث بیان کر رہا ہو۔

د۔ حدیث میں کوئی قرینہ ہو: مثلاً حدیث کے الفاظ بدمزہ ہوں اور وہ پھس پھسا کلام ہو یا وہ عقل سلیم یا قرآن کے بالکل مخالف ہو۔

٦۔ وضع کے اسباب اور واضعین کی قسمیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے: ایسی احادیث بنانا جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی میں ترغیب دلاتی ہیں۔ ایسے ہی وہ احادیث جو برے اور منکر افعال سے ڈراتی ہیں' ایسی احادیث بنانے والے وہ لوگ ہیں جو زہد اور اصلاح کی طرف منسوب ہوتے ہیں (صوفیا) یہ سب سے برے واضعین ہیں کیونکہ لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی موضوع روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ان میں سے ایک میسرہ بن عبدربہ ہیں۔ ابن حبان نے الضعفاء میں ابن مہدی سے بیان کیا ہے کہ ابن مہدی کہتے ہیں میں نے میسرہ بن عبدربہ سے پوچھا تم یہ احادیث کہاں سے لائے ہو کہ جس نے فلاں (ورد یا سورت) پڑھی اسے اتنا ثواب ملے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان روایات کو اس لیے وضع کیا ہے کہ لوگوں کو رغبت دلاؤں۔ (تدریب الراوی ج ا ص ۲۸۳)

ب۔ مذہب کی مدد و نصرت کے لیے: خاص کر خوارج اور شیعہ جیسے سیاسی فرقوں کے

ظہور اور ایسے ہی دوسرے فرقوں کے فتنوں کے ظہور کے بعد سیاسی جماعتوں اور گروہوں کے مذاہب کے لیے۔

ان میں سے ہر فرقے اور گروہ نے اپنے مذہب کی تائید اور نصرت کے لیے احادیث بنائیں اور وضع کیں جیسے یہ روایت ہے : عَلِيٌّ خَيْرُ الْبَشَرِ، مَنْ شَكَّ فِيْهِ كَفَرَ۔
(ترجمہ: علی سب سے بہتر بشر ہیں اور اس میں شک کرنے والا کافر ہے)

ج۔ اسلام میں طعن کرنے کے لیے: یہ بے دینوں کی قوم جو کھلم کھلا اسلام کے خلاف مکرو فریب اور دجل نہ کر سکے تو انہوں نے اس خبیث راستے کی طرف قصد کیا اور اسلام کو قبیح اور بد شکل بنانے اور اس میں عیب اور طعن کرنے کی غرض سے احادیث کی ایک مقدار وضع کی۔

ان میں سے محمد بن سعید شامی تھا جسے بے دینی کی پاداش میں پھانسی دی گئی' اس نے حمید سے' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۸۴) لیکن حدیث کے ماہرین نے ان احادیث کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور اس کا احسان ہے۔

د۔ حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے: کمزور ایمان و اعتقاد والے لوگ حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسی احادیث بناتے ہیں جو حکمرانوں کے انحراف والے راستے سے مناسبت رکھتی ہیں جیسے کہ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی کا قِصّہ ہے جو امیرالمومنین المہدی کے ساتھ ہوا۔ جب غیاث مہدی کے پاس گیا تو وہ کبوتر کے ساتھ کھیل رہا تھا تو غیاث نے تسلسل کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند کے ساتھ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لَا سَبْقَ اِلَّا فِي نَصْلٍ اَوْخُفٍ اَوْ حَافِرٍ اَوْجَنَاحٍ) تو اس نے حدیث میں لفظ اَوْجَنَاحٍ زیادہ کیا ہے تاکہ مہدی خوش ہو جائے' جب مہدی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہنے لگا کہ گویا میں نے اسے اس زیادتی پر اُبھارا ہے۔

ھ۔ کمائی اور طلب رزق کے لیے: جیسا کہ بعض قِصّہ گو لوگ جو اپنے وعظ اور خطاب

سے لوگوں سے پیسہ بٹورنے کے لیے انہیں ایسے تسلی بخش اور عجیب و غریب واقعات سناتے ہیں تاکہ لوگ ان کی طرف توجہ دیں اور انہیں بطور داد کے کچھ رقم عطا کریں جیسا کہ ابو سعید مدائنی تھے۔

ز۔ شہرت کے لیے: عجیب و غریب احادیث بیان کرنا جو کسی بھی ماہر حدیث کے پاس نہیں ملتیں۔ یہ لوگ حدیث کی سند کو الٹ پلٹ دیتے ہیں تاکہ عجیب و نادر بن جائے یا ان سے وہ حدیث سننے کیلئے رغبت ہو' جیسا کہ ابن ابی وحیہ اور حماد نصیبی تھے۔

(تدریب الراوی ص ج ۱ ص ۲۸۶)

۷۔ وضع حدیث میں کرامیہ کا مذہب: بدعتی فرقوں میں سے کرامیہ نامی فرقہ نے صرف ترغیب و ترہیب سے متعلق احادیث کے وضع کرنے اور گھڑنے کے متعلق جواز کا دعویٰ کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے اور ان کا استدلال ان الفاظ سے ہے جو حدیث کے ایک متن میں سے ہیں' وہ حدیث یہ ہے ((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا لِيُضِلَّ النَّاسَ)) زائد لفظ جو محل استدلال ہیں وہ یہ ہیں لِيُضِلَّ النَّاسَ حالانکہ ثقہ راویوں اور حفاظ حدیث کے ہاں یہ زیادتی صحیح ثابت نہیں ہو سکی۔ بعض کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں حدیث میں ہے "جس نے مجھ پر جھوٹ بولا" تو ہم آپؐ پر جھوٹ نہیں بولتے بلکہ آپ کے لیے جھوٹ بولتے ہیں ((نَحْنُ نَكْذِبُ لَهُ لاَ عَلَيْهِ)) حالانکہ یہ ایک ردی قسم کا بیوقوفانہ استدلال ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا دین ان جھوٹوں کا محتاج نہیں کہ وہ اسے رواج دیں اور عام کریں۔

اور یہ دعویٰ مسلمانوں کے اجماع کے بھی خلاف ہے حتیٰ کہ شیخ ابو محمد جوینی نے اتنا مبالغہ کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ حدیث وضع کرنے والا کافر ہے۔

۸۔ موضوع احادیث کے ذکر کرنے میں بعض مفسرین کی خطا:

بعض مفسرین نے موضوع احادیث کے موضوع ہونے کو بیان کیے بغیر انہیں اپنی تفسیروں میں ذکر کر کے خطا کی ہے' خاص کر وہ احادیث جو فضائل قرآن سے متعلق ہر سورت کی فضیلت میں ابی بن کعب سے مروی ہیں۔ ان مفسرین میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ثعلبی (۲) واحدی (۳) زمخشری (۴) بیضاوی (۵) شوکانی

۹۔ اس سے متعلق مشہور ترین تصانیف:

ا۔ کتاب الموضوعات : امام ابن جوزی کی تصنیف ہے‘ وہ سب سے پہلے اور مقدم آدمی ہیں جنہوں نے اس فن میں تصنیف لکھی لیکن وہ حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانے میں متساہل ہیں اور غافل ہیں۔ اس لیے علما نے اس پر تنقید کی ہے اور اس کا تعاقب بھی کیا ہے۔

ب۔ اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة : یہ امام سیوطی کی تصنیف ہے۔ یہ ابن جوزی کی کتاب کا اختصار ہے اور اس پر تعاقب ہے اور اس میں وہ زائد روایات مذکور ہیں جو ابن جوزی سے رہ گئی تھیں۔

ج۔ تنزیة الشریعة المرفوعة عن الأحادیث الشنیعة الموضوعة : یہ ابن عراق کنانی کی تصنیف ہے۔ یہ مذکورہ دونوں کتابوں کی تلخیص ہے جو ایک جامع و محیط اور مہذب و مرتب اور مفید کتاب ہے۔

”متروک“

جب راوی میں طعن کا سبب جھوٹ کی تہمت ہو جو دوسرا سبب ہے تو اس کی حدیث متروک کہلاتی ہے۔ (یہ نوع حافظ ابن حجر نے نخبة الفكر میں ذکر کی ہے‘ اس سے پہلے ابن الصلاح اور امام نووی نے ذکر نہیں کی)

ا۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ تَرَكَ سے ماخوذ اسم مفعول کا صیغہ ہے‘ عرب لوگ اس انڈے کا نام جس سے بچہ نکل چکا ہو تریکتہ رکھتے ہیں یعنی متروکہ چھوڑا گیا جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ (قاموس ج ۳ ص ۳۰٦)

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جس کی سند میں متہم بالکذب راوی ہو۔

۲۔ راوی پر جھوٹ کی تہمت کا سبب: راوی پر جھوٹ کی تہمت کا سبب دو اُمور میں سے ایک امر ہوتا ہے‘ جو یہ ہیں :

ا۔ وہ حدیث صرف اسی کے واسطے سے مروی ہو اور وہ عام معلوم قواعد کے مخالف ہو۔

(معلوم قواعد: وہ عام اصول جنہیں علما نے عام مشہور صحیح نصوص سے مستنبط کیا اور نکالا ہے جیسے یہ قاعدہ اور اصول ہے (الاصل براءۃ الذمہ) یعنی بنیادی طور پر آدمی بری الذمہ ہے)

ب۔ وہ عام عادت والے کلام میں جھوٹا مشہور ہو، لیکن اس سے حدیثِ نبوی میں جھوٹ ظاہر نہ ہو۔ (کیونکہ حدیثِ نبوی میں جھوٹ ظاہر ہو تو اس کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں)

۳۔ مثال: عمرو بن شمر جعفی کوفی شیعی کی حدیث جو وہ جابر سے، وہ ابو طفیل سے، وہ علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے کہ ان دونوں نے کہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور عرفہ کے دن صبح کی نماز سے تکبیریں پڑھنا شروع کر دیتے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز پر ختم کرتے تھے۔

امام نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے عمرو بن شمر جعفی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے یعنی اس کی حدیث متروک ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۶۸)

۴۔ مرتبہ و مقام: یہ بات گذر چکی ہے کہ ضعیف حدیث کی سب سے بڑی قسم موضوع ہے، اس کے بعد متروک ہے، پھر منکر ہے، پھر معلل ہے پھر مدرج، پھر مقلوب، پھر مضطرب۔ حافظ ابن حجر نے یہی ترتیب بیان کی ہے (تدریب ج ۱ ص ۲۹۵، نخبہ ص ۴۶)

''منکر''

جس راوی میں طعن و جرح کا سبب فحش الغلط یا کثرۃ الغفلۃ یا فسق ہو جو تیسرا، چوتھا اور پانچواں سبب ہے اس کی حدیث منکر کہلاتی ہے۔

ا۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ انکار سے ماخوذ ہے، اسم مفعول کا صیغہ ہے جو کہ اقرار کی ضد ہے۔

اصطلاحی تعریف: علمائے حدیث نے منکر کی متعدد تعریفیں کی ہیں، مشہور ترین دو تعریفیں

ہیں' جو یہ ہیں :

ا وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس کی غلطیاں فاش اور کھلم کھلا ہوں یا اس کی غفلت بہت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو۔

اس تعریف کو حافظ ابن حجر نے ذکر فرما کر اپنے اغیار کی طرف منسوب کیا ہے۔ (نخبۃ و شرحھا) امام بیقونی نے اپنی کتاب المنظومۃ میں اسی تعریف کو ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں

ومنکر الفرد بہ راو غدا تعدیلہ لا یحمل التفردا

۲ وہ حدیث جسے ضعیف راوی نے بیان کیا ہے اور وہ اس حدیث کے مخالف ہو جو ثقہ نے بیان کی ہو۔ یہ وہ تعریف ہے جسے حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور اس پر اعتماد بھی کیا ہے۔ اور اس میں پہلی تعریف پر ایک قید کی زیادتی ہے اور وہ یہ کہ ضعیف ثقہ کی روایت کی مخالفت کرے۔

۲۔ منکر اور شاذ میں فرق:

أ شاذ وہ روایت ہے جسے مقبول اور ثقہ راوی بیان کرے' جس میں وہ اپنے سے بہتر اور اوثق کی مخالفت کر رہا ہو۔ (مقبول سے مُراد وہ ہے جو کہ صحیح اور حسن کے راوی کو شامل ہو یعنی عادل' تام الضبط' اور وہ عادل جس کا ضبط خفیف ہو)

ب منکر وہ روایت ہے جس میں ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کر رہا ہو۔

پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں مخالفت کی شرط اور قید میں شریک ہیں لیکن اس چیز میں جدا جدا ہیں کہ شاذ کا راوی مقبول و ثقہ ہوتا ہے جب کہ منکر کا راوی ضعیف ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس شخص نے غفلت سے کام لیا ہے جس نے ان دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔

۳۔ مثال :

ا۔ **پہلی تعریف کی مثال:** وہ روایت جسے امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بیان کیا' ابو زکیر یحییٰ بن محمد بن قیس کے واسطے سے ہشام بن عروہ سے' وہ اپنے باپ عروہ سے' وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بیان کرتا ہے کہ "تم ڈوکے خشک کھجوروں کے ساتھ کھاؤ بے شک

بنی آدم جب اسے کھاتا ہے تو شیطان غصے ہوتا ہے۔"

امام نسائی فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے' اسے اکیلے ابو زکیر نے بیان کیا ہے جو کہ شیخ صالح ہے۔ امام مسلم نے اس کی حدیث متابعات میں ذکر کی ہے لیکن یہ راوی اس پائے کا نہیں اور نہ اس مقام و مرتبے پر فائز ہے کہ اس کی متفرد حدیث قبول کی جائے اور وہ صحیح اور مقبول سمجھی جائے۔ (التدریب ج ۱ ص ۲۴۰)

ب۔ دوسری تعریف کی مثال: وہ روایت جسے ابن ابی حاتم نے حبیب بن حبیب الزیات کی سند سے بیان کیا ہے' وہ ابو اسحاق سے' وہ عیزار بن حریث سے' وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

"جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتا رہا اور بیت اللہ کا حج کیا اور رمضان کے روزے رکھے اور مہمان کی مہمان نوازی کی جنت میں داخل ہو گا۔"

امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ حبیب بن حبیب الزیات کی یہ حدیث منکر ہے کیونکہ دوسرے ثقات راویوں نے اس حدیث کو ابواسحاق سے موقوف روایت کیا ہے جو کہ معروف ہے۔

۴۔ مقام و مرتبہ: منکر کی ابھی ابھی مذکورہ دونوں قسموں کی تعریفوں سے واضح ہوتا ہے کہ منکر انتہائی ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ہے کیونکہ یا تو یہ اس راوی کی روایت ہوتی ہے جو فحش الغلط یا کثیر الغفلت یا فسق کی صفت کے ساتھ موصوف ہے یا اس راوی کی روایت ہوتی ہے جو ضعیف ہے اور اپنی روایت میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے' اور یہ دونوں قسمیں سخت ضعیف ہیں۔ اسی لیے متروک کی بحث میں یہ بات گذر چکی ہے کہ منکر شدت ضعف کی وجہ سے متروک کے بعد والے مرتبے میں شمار ہوتی ہے۔

"معروف"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ عَرَّفَ سے ماخوذ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جسے ثقہ روایت کرے اور وہ ضعیف کی روایت کی مخالفت کرے تو یہ اس معنی میں منکر کے مد مقابل ہے یا عمدہ پیرائے میں یوں کہیئے کہ وہ روایت ہے جو منکر کی اس تعریف کے مد مقابل اور بر عکس ہو جس پر حافظ ابن حجر نے اعتماد کیا ہے۔

۲۔ مثال: اس کی مثال وہ روایت ہے جو منکر کی قسم میں دوسری مثال گذر چکی ہے لیکن ان ثقہ راویوں کے طریق سے جنھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف بیان کیا ہے کیونکہ ابن ابی حاتم حبیب بن حبیب الزیات کی مرفوع سند سے بیان کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ وہ منکر روایت ہے کیونکہ اس کے علاوہ ثقہ راویوں نے اس روایت کو ابو اسحاق سے موقوف بیان کیا ہے اور وہ معروف ہے۔

نوٹ: معروف کا بیان یہاں اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ وہ مردود کی قسم ہے بلکہ اسے اس کی قسم منکر کی مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے ورنہ معروف مقبول کی قسموں میں سے ہے جس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔

"معلل"

جب راوی میں جرح کا سبب وہم ہو تو اس کی حدیث معلل کہلاتی ہے۔ یہ چھٹا سبب ہے۔

۱۔ تعریف :

لغوی تعریف: یہ اَعَلَّہُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ مشہور صرفی قانون اور فصیح لغت کے مطابق یہ لفظ معل بنتا ہے لیکن غیر مشہور لغت کے مطابق محدثین سے یہ لفظ معلل منقول ہے۔ بعض محدثین نے اسے معلول بھی تعبیر کیا ہے جو کہ ضعیف ہے اور اہل لغت اور عربی دانوں کے درمیان ضعیف اور معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جس میں ایسی علت معلوم ہو جائے جو اس کی صحت میں ضعف کا سبب ہے اگرچہ ظاہراً وہ عیب سے سلامت معلوم ہو۔

۲۔ علت کی تعریف: یہ ایسا مخفی اور پوشیدہ دقیق سبب ہوتا ہے جو حدیث کی صحت میں ضعف کا سبب بنتا ہے۔

علت کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ علماے حدیث کے نزدیک علت وہ ہے جس میں دو شرائط لازماً پائی جائیں' جو یہ ہیں :

ا۔ پوشیدگی اور گمنامی یا مخفی پن۔

ب۔ صحت حدیث میں ضعف اور عیب کا ہونا۔

۳۔ علت کا غیر اصطلاحی اطلاق: گذشتہ پیرے میں علت کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے مُراد محدثین کی اصطلاح والی تعریف ہے لیکن بسا اوقات حدیث میں کسی بھی قسم کے طعن اور عیب پر علت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے' اگرچہ وہ طعن مخفی اور ضعف کا سبب نہ بھی ہو۔

پہلی نوع: راوی کے جھوٹا ہونے کے سبب کو علت سے بیان کرنا یا اس کی غفلت یا حافظے کی خرابی یا اس جیسے طعن کا بیان کرنا یہاں تک کہ امام ترمذی نے تو نسخ کو بھی علت کہہ دیا ہے۔

دوسری نوع: مخالفت کی وجہ سے علت کا بیان صحت حدیث میں ضعف پیدا نہیں کرتا جیسے ثقہ کی موصول روایت کو مُرسل بیان کرنا' اسی وجہ سے بعض علما نے یہ بھی کہا ہے کہ صحیح حدیث میں سے ایک معلل صحیح حدیث بھی ہے۔

۴۔ اس فن کی جلالت اور باریکی اور اس میں کامیاب ہونے اور غلبہ

پانے والے: علل حدیث کی پہچان حدیث کے تمام علوم میں عظیم اور جلیل القدر اور دقیق عِلم ہے کیونکہ اس میں ان مخفی پوشیدہ علل کو واضح اور بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو صرف علوم حدیث میں مہارت رکھنے والوں پر ظاہر ہوتی ہے' اس میں صرف حافظ و ضابط اور دُور اندیش اور روشن فہم رکھنے والا ہی کامیاب ہو سکتا ہے اور اس کی معرفت پر قدرت رکھ سکتا ہے۔ اسی لیے اس کی گہرائی میں غوطہ لگانے والے اور اس کی سختیاں اور مصائب جھیلنے والے بہت تھوڑے ائمہ ہیں جیسے علی بن مدینی' امام احمد' امام بخاری' امام ابو حاتم' اور امام دار قطنی۔

۵۔ تعلیل کس سند میں جاری ہوتی ہے اور اس کی راہ لیتی ہے؟

تعلیل اس سند کے قریب ہوتی اور اس میں جاری ہوتی ہے جو ظاہری طور پر صحت کی شرطوں کو جمع کرنے والی ہے۔ کیونکہ ضعیف حدیث میں اس کی علتوں کے بارے میں بحث کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ مَردود ہے اور اس پر عمل نہیں ہوتا۔

۶۔ علت کے ادراک پر کن اُمور سے مدد لی جاتی ہے؟

علت کے ادراک پر چند اُمور سے مدد لی جاتی ہے' جو یہ ہیں :

أ راوی کا متفرد اور اکیلا ہونا۔

ب اس کا غیر اس کی مخالفت کرے یعنی کوئی اور صاحب عِلم اس راوی حدیث کی مخالفت کر رہا ہو۔

ج دوسرے قرائن جن پر مذکورہ (أ اور ب) جملوں کے لطیف نکتے مشتمل ہوں۔

یہ اُمور اس فن کی معرفت رکھنے اور جاننے والے کو اس وہم پر متنبہ کرتے ہیں جو حدیث کے راوی سے واقع ہوا ہے' یا اس کی بیان کردہ موصول روایت کے مُرسل پن کے کھلنے کی وجہ سے' یا اس کی بیان کردہ مرفوع حدیث کے موقوف ہونے کے ساتھ' یا ایک حدیث کو دوسری میں داخل کرنے سے یا اس کے علاوہ کسی اور وہم سے' تو یہ بات اس کے ظن پر غالب آتی ہے اور حدیث پر عدم صحت اور ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

۷۔ معلل کی معرفت کا طریقہ: اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام

طرق کو جمع کیا جائے اور راویوں کے اختلاف میں غور کیا جائے' ان کے ضبط اور اتقان میں موازنہ کیا جائے' پھر معلول روایت پر حکم لگایا جائے۔

۸۔ علت کہاں واقع ہوتی ہے؟

ا سند میں واقع ہوتی ہے جو کہ بہت زیادہ ہے جیسے موقوف اور مُرسل ہونے کی علت۔

ب متن میں واقع ہوتی ہے جو بہت ہی کم اور قلیل ہے جیسے نماز میں بسم اللہ کی قرات کی نفی کی حدیث ہے۔

۹۔ کیا سند میں علت کا واقع ہونا متن میں ضعف کا سبب بنتا ہے؟

ا بسا اوقات علت کا سند میں واقع ہونا متن میں ضعف کا سبب بنتا ہے جیسے مُرسل ہونے کی علت ہے۔

ب کبھی علت خاص سند میں واقع ہوتی ہے جب کہ متن صحیح ہوتا ہے جیسے یعلیٰ بن عبید کی حدیث ہے' وہ ثوری سے' وہ عمرو بن دینار سے' وہ ابن عمر سے مرفوع بیان کرتے ہیں۔ "اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ"

تو یعلیٰ کو سفیان ثوری پر وہم ہوا ہے کہ اس کا استاد عمرو بن دینار ذکر کیا ہے حالانکہ وہ عبداللہ بن دینار ہے۔ یہ متن صحیح ہے اگرچہ سند میں غلطی کرنے کی علت موجود ہے کیونکہ عمرو اور عبداللہ بن دینار دونوں ثقہ ہیں تو ثقہ کو ثقہ کے بدلے میں بیان کرنا حدیث کے متن کی صحت کو نقصان نہیں دیتا اگرچہ سند کے سیاق میں خطا اور غلطی ہے۔

۱۰۔ معلل کے متعلق مشہور ترین تصانیف:

ا "کتاب العلل" : علی بن مدینی کی تصنیف ہے۔

ب "علل الحدیث" : ابن ابی حاتم کی تصنیف ہے۔

ج "العلل و معرفۃ الرجال" : امام احمد بن حنبل کی تصنیف ہے۔

د "العلل الکبیر اور العلل الصغیر" یہ امام ترمذی کی تصنیف ہے۔

ھ "العلل الواردہ فی الاحادیث النبویۃ" : یہ امام دار قطنی کی تصنیف ہے

جو کہ بڑی جامع اور مفصل کتاب ہے۔

"ثقات کی مخالفت"

جب راوی میں جرح کا سبب یہ ہو کہ وہ ثقات کی مخالفت کرتا ہے جو کہ ساتواں سبب ہے' اس کی ثقات سے مخالفت سے علوم حدیث کی پانچ قسمیں نکلتی ہیں جو یہ ہیں مدرج' مقلوب' المزید فی متصل الاسانید' مضطرب' مصحف۔

۱ اگر مخالفت سند کے سیاق کو تبدیل کرنے یا موقوف کو مرفوع سے خلط ملط کرنے کے ساتھ ہو تو اس کا نام مدرج ہے۔

۲ اگر مخالفت تقدیم یا تاخیر کے ساتھ ہو تو اس کا نام مقلوب ہے۔

۳ اگر مخالفت راوی کی زیادتی کے ذرائع سے ہو تو اس کا نام المزید فی متصل الاسانید ہے۔

۴ اگر مخالفت ایک راوی کو دوسرے راوی سے تبدیل کرنے یا متن میں الفاظ کا اختلاف حاصل ہونے کے ساتھ ہو اور ترجیح کا کوئی سبب بھی نہ ہو تو اس کا نام مضطرب ہے۔

۵ اگر مخالفت الفاظ کو بدلنے کے ساتھ ساتھ سیاق و سباق کے باقی رکھنے کے ساتھ ہو تو اس کا نام مصحف ہے۔ (النخبة و شرحها ص ۴۸' ۴۹)

اب اسی ترتیب سے ان کی تفصیل آرہی ہے۔

"مدرج"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ "اَدْرَجْتُ" سے ماخوذ ہے یعنی میں نے ایک چیز کو دوسری میں داخل کر دیا اور اسے دوسری چیز سے ملا دیا۔

اصطلاحی تعریف: جس حدیث کی سند کا سیاق بدلا گیا ہو یا اس کے متن میں بغیر فرق و

وضاحت کئے ایسی چیز داخل کر دی گئی ہو جو اس کا حصہ نہیں۔

۲۔ اقسام: مدرج کی دو قسمیں ہیں۔

مدرج الاسناد مدرج المتن

ا۔ مدرج الاسناد:

ا۔ تعریف: جس کی سند کا سیاق بدلا گیا ہو۔

۲۔ اس کی صورتیں: راوی سند چلاتا ہے' اس کے سامنے کوئی رکاوٹ پیش ہوتی ہے تو وہ اپنی طرف سے کوئی کلام کرتا ہے تو سامعین میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کلام اس سند کا متن ہے تو وہ اسی طرح آگے ان سے یہ کلام روایت کر دیتا ہے۔

۳۔ مثال: ثابت بن موسیٰ زاہد کا قِصّہ جو ان کی اس روایت میں ہے:

((مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ)) (اخرجه ابن ماجه' باب قيام الليل ج ۱ ص ۴۲۲)

جس کی رات کی نماز زیادہ ہوتی ہے اس کا چہرہ دن کو حسین بن جاتا ہے۔

اصل قِصّہ یوں ہے کہ ثابت بن موسیٰ' شریک بن عبداللہ قاضی کے پاس آئے اور وہ لکھوا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ ہمیں اعمش نے حدیث بیان کی ابو سفیان سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے تاکہ لکھنے والا لکھ لے: اور جب ثابت کی طرف دیکھا تو کہا کہ جس کی رات کی نماز زیادہ ہوتی ہے' دن کو اس کا چہرہ چمکنے والا اور حسین ہوتا ہے۔ مقصد ثابت کے زُہد اور تقویٰ کی وجہ سے ان کی طرف اشارہ کرنا تھا تو ثابت نے خیال کیا کہ یہ اس سند کا متن ہے تو وہ اس کو بیان کیا کرتے تھے۔

ب۔ مدرج المتن:

ا۔ تعریف: جس کے متن میں امتیاز کیے بغیر ایسی چیز بیان کی گئی ہو جو اس کا حصہ نہیں۔

۲۔ اقسام: مدرج المتن کی تین قسمیں ہیں۔ جو یہ ہیں۔

ا ادراج حدیث کے شروع میں ہو' جو بہت کم ہوتا ہے لیکن بہ نسبت درمیان کے زیادہ ہوتا ہے۔

ب ادراج حدیث کے درمیان اور وسط میں ہو' جو پہلی قسم سے کم ہے۔

ج ادراج حدیث کے آخر میں ہو جو اکثر ہوتا ہے۔

۳۔ مدرج کی مثالیں:

ا۔ آغاز حدیث میں ادراج کے واقع ہونے کی مثال: اس کا سبب یوں ہوتا ہے کہ راوی ایک کلام کرتا ہے' مقصد اس پر (تائید کے لیے) اس حدیث سے استدلال کرنا ہوتا ہے جو آنے والی ہے اور امتیاز نہیں کرتا۔ تو سننے والا یہ وہم اور خیال کرتا ہے کہ یہ تمام حدیث ہے جیسے وہ حدیث جسے خطیب بغدادی نے ابی قطن اور شبابہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ انہیں الگ الگ اور فرق سے بیان کیا ہے شعبہ سے وہ محمد بن زیاد سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ' وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ تو یہ قول اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور مدرج ہے جیسا کہ امام بخاری کی روایت میں واضح اور ظاہر ہے۔ بخاری آدم سے' وہ شعبہ سے' وہ محمد بن زیاد سے وہ ابوہریرہ سے بیان کرتا ہے' فرمایا:

((اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.))

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وضوء مکمل اور پوری طرح کرو کیونکہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خشک ایڑیوں والوں کے لیے آگ سے ہلاکت اور ویل ہے (ویل وادی کا نام ہے)

خطیب کہتے ہیں ابو قطن اور شبابہ نے اپنی روایات میں غلطی اور وہم کیا ہے' شعبہ سے مذکورہ سند سے بیان کیا حالانکہ بہت بڑی جماعت نے اس کو شعبہ سے اس طرح بیان کیا ہے جیسے آدم کی روایت ہے (جو بخاری کے حوالہ سے گذری ہے) (تدریب الراوی ج ا ص ۲۱۰)

ب۔ وسط حدیث میں ادراج کی مثال: آغاز بخاری میں باب بدء الوحی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے' فرماتی ہیں ((كان النبى صلى الله عليه وسلم يَتَحَنَّثُ

فِیْ غَارِ حِرَاءَ وَهُوَ اَلتَّعَبُّدُ۔ اَللَّیَالِیَّ ذَوَاتَ الْعَدَدِ.)) (بخاری باب بدء الوحی) تو یہ قول ((وَهُوَ اَلتَّعَبُّدُ)) یہ امام زہری راوی حدیث کا کلام ہے جو بطورِ تفسیر درج کیا گیا ہے۔
ترجمہ: نبی اکرم ﷺ غارِ حرا میں مسلسل کئی راتیں عبادت کرتے رہتے تھے۔

ج۔ حدیث کے آخر میں ادراج کی مثال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ((لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ اَجْرَانِ وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَ بِرُّ اُمِّی لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْكٌ.)) (بخاری کتاب العتق)
ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں' غلام بندے کے لیے دو اجر اور ثواب ہے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور حج کرنا اور ماں سے نیکی کرنا نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں فوت ہونا پسند کرتا۔

یہ کہنا ((وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ۔۔۔ اِلٰی آخِرِهٖ)) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ایسے کلام کا صدور ناممکن ہے' اس لیے کہ آپؐ غلامی کی تمنا نہیں کر سکتے اور اس لیے بھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ تو زندہ ہی نہیں تھیں کہ ان سے نیکی اور حسن سلوک کرتے۔

۳۔ ادراج کے اسباب:

ادراج کے کئی اسباب ہیں' زیادہ مشہور درج ذیل ہیں

۱ شرعی حکم کا بیان۔
۲ حدیث کے مکمل ہونے سے پہلے اس سے کسی شرعی حکم کا استنباط کرنا۔
۳ حدیث میں مشکل اور غریب الفاظ کی تفسیر و تشریح کرنا۔

۴۔ ادراج کا ادراک کیسے ہوتا ہے؟

ادراج کا ادراک چند اُمور سے ہوتا ہے جو یہ ہیں:

أ دوسری روایت میں وہ مدرج کلام الگ اور امتیاز سے درج ہو۔
ب بعض باخبر اور مطلع امام اس ادراج پر نص بیان کریں۔
ج راوی خود اقرار کرے کہ اس نے یہ کلام درج کیا ہے۔

د کلام ایسا ہو جو نبی اکرم ﷺ سے صادر نہ ہو سکے بلکہ اسے آپؐ کا کلام ہونا ناممکن اور محال ہو۔

۵۔ ادراج کا حکم: محدثین اور فقہا وغیرہ علما کے اجماع کے مطابق ادراج حرام ہے لیکن جو غریب اور مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے ہو وہ اس حکم سے مستثنٰی ہے' کیونکہ یہ جائز ہے اسی لیے امام زہری وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔

۶۔ مشہور ترین تصانیف:

أ الفصل للوصل المدرج في النقل یہ خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

ب تقریب المنہج بترتیب المدرج یہ ابن حجر کی تصنیف ہے۔ یہ خطیب بغدادی کی کتاب کا خلاصہ ہے اور اس پر اضافہ ہے۔ (مناسب مقامات پر)

"مقلوب"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ قلب سے ماخوذ اسم مفعول کا صیغہ ہے' جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے چہرے اور رخ سے پلٹ دینا اور الٹا دینا۔ (قاموس ج ۱ ص ۱۲۳)

اصطلاحی تعریف: حدیث کی سند یا اس کے متن میں تقدیم یا تاخیر وغیرہ کر کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ بدل دینا۔

۲۔ قسمیں: مقلوب دو بنیادی اور بڑی قسموں میں تقسیم ہوتی ہے جو یہ ہیں:
مقلوب السند۔ مقلوب المتن۔

مقلوب السند: وہ حدیث جس کی سند میں تبدیلی واقع ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱ ایک راوی کو اس طرح بیان کرے کہ اس کے نام اور اس کے باپ کے نام میں تقدیم و تاخیر کر دی ہو جیسے ایک حدیث مروی ہو کعب بن مرۃ سے لیکن راوی اسے اس طرح روایت کرے عن مرہ بن کعب۔

۲ راوی ایک شخص کو دوسرے سے بدل دے تاکہ وہ اجنبی ہو جائے' کوئی معلوم نہ

کر سکے جیسے ایک مشہور حدیث مروی ہو سالم سے لیکن راوی اسے نافع سے بیان کرے۔

ایسا کرنے والے راویوں میں سے ایک حماد بن عمرو النصیبی ہیں جس کی مثال وہ حدیث ہے جسے حماد نصیبی نے بیان کیا ہے اعمش سے' وہ ابو صالح سے' وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں

((اِذَا لَقِيْتُمُ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ طَرِيْقٍ فَلَا تَبْدَؤُوْهُمْ بِالسَّلَامِ.))

"جب تم راستے میں مشرکین سے ملاقات کرو تو سلام کرنے میں ابتدا نہ کیا کرو۔"

یہ حدیث مقلوب ہے جسے حماد نے بدلا ہے کہ اسے اعمش سے بیان کیا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث سہیل بن ابی صالح سے مروی ہے' وہ اپنے باپ سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ ایسے ہی مسلم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔

یہ قلب کی وہ قسم ہے جس کے راوی پر ان الفاظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ "یسرق الحدیث"

مقلوب المتن: وہ حدیث کہ جس میں تبدیلی اس کے متن میں واقع ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں (صورتیں) ہیں

۱۔ راوی حدیث کے متن کے کسی حصے میں تقدیم و تاخیر کر دے۔

اس کی مثال : مسلم میں مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' سات قسم کے آدمی جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ (عرش کا یا اپنی رحمت کا) عطا فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اس میں ایک یہ ہے "کہ وہ آدمی جو صدقہ کرتا ہے اور اس کو اتنا پوشیدہ کرتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے"

یہ ان احادیث میں سے ہے جس میں بعض راویوں سے قلب ہوا ہے' حالانکہ درست یوں ہے "یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کے دائیں نے کیا خرچ کیا ہے" (بخاری' مسلم' موطا امام مالک)

۲۔ راوی ایک حدیث کے متن کو کسی دوسری سند کے ساتھ لگا دے اور اس کی سند کو کسی دوسرے متن سے ملا دے۔ یہ امتحان لینے یا اس جیسے کسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس کی مثال : وہ مشہور واقعہ اور سلوک جو بغداد والوں نے امام بخاری سے کیا تھا۔ اس طرح کہ انھوں نے سو حدیثیں لیں اور ان میں اسی طرح کا قلب کر کے امام بخاری سے سوال کیا تاکہ امام صاحب کے حافظے کا امتحان لیا جا سکے۔ امام بخاری نے انہیں ان احادیث کی اس شکل میں پھیر دیا جس طرح وہ قلب سے پہلے تھیں' کسی ایک میں بھی خطا نہیں کی۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۰)

۳۔ قلب پر اُبھارنے والے اسباب: بعض راویوں کو قلب پر رغبت دلانے والے اسباب مختلف ہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں :

ا ۔ قصد الاغراب : حدیث کو عجیب و غریب اور اجنبیت کے انداز میں بیان کرنا تاکہ لوگوں کو اس کی احادیث بیان کرنے میں رغبت ہو اور وہ اس سے احادیث حاصل کریں۔

ب۔ قصد الامتحان : کسی محدث کا امتحان لینے اور اس کے حافظے کی تحقیق و تاکید اور اس کے تام الضبط ہونے کی دلیل حاصل کرنے کے لیے احادیث میں قلب کیا جاتا ہے۔

ج۔ وقوع فی الخطاء : بغیر ارادہ اور قصد کے غلطی اور خطا میں واقع ہونے سے قلب ہو جاتا ہے۔

۴۔ قلب کا حکم:

ا: اگر قلب حدیث کو اجنبی اور غریب بنانے کے ارادے سے ہو تو یقیناً یہ درست اور جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح حدیث کو تبدیل کرنا ہوتا ہے اور یہ تو احادیث کو گھڑنے والے وضاعین کا کام ہے۔

ب: اور اگر قلب کا مقصد امتحان لینا ہو تو پھر یہ جائز ہے تاکہ محدث کی اہلیت اور اس کی ثابت قدمی اور ترقی معلوم ہو لیکن اس میں ایک شرط ضروری ہے کہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے اس کی صحیح صورت واضح کر دی جائے۔

ج: اگر قلب بھول کر اور غلطی سے ہوا ہو تو یقیناً اپنی غلطی میں اور ایسا کرنے میں اس کو معذور سمجھا جائے گا لیکن اگر اس کا صدور بکثرت ہو تو پھر راوی کے ضبط اور حفظ میں خلل آ جاتا ہے جو کہ اس کو ضعیف بنا دیتا ہے--- اصلاً مقلوب حدیث ضعیف کی قسموں سے ہے جو کہ واضح اور معلوم ہے۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف:

خطیب بغدادی کی تصنیف " رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والالقاب" یہ صرف سند میں واقع قلب کی قسم سے خاص ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔

"المزید فی متصل الاسانید"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: المزید یہ زیادۃ سے ماخوذ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور متصل منقطع کی ضد ہے اور اسانید جمع ہے اسناد کی۔

اصطلاحی تعریف: حدیث کی سند کے درمیان راوی کی زیادتی بیان کی جائے ایسی سند جو کہ ظاہراً متصل ہو۔

۲۔ مثال: وہ حدیث جو عبداللہ بن مبارک نے بیان کی ہے:

((قال حدثنا سفیان عن عبدالرحمٰن بن یزید حدثنی بسر بن عبیداللہ قال سمعت ابا ادریس قال سمعت واثلة یقول سمعت ابا مرثد یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوا اِلَيْهَا.)) (اخرجہ مسلم والترمذی)

۳۔ اس مثال میں زیادتی: اس مثال میں جو زیادتی واقع ہوئی ہے پہلی زیادتی سفیان کے لفظ کی ہے اور دوسری ابو ادریس کے نام کی ہے۔ دونوں مقامات پر زیادتی کا سبب وہم ہے۔

ا سفیان کی زیادتی یہ عبداللہ بن مبارک سے نیچے والے کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک سے ایک ثقہ جماعت نے روایت کیا ہے مگر انہوں نے (یہ زیادتی چھوڑ کر) یوں بیان کیا ہے: عن ابن المبارك عن عبدالرحمٰن بن یزید اور ان میں سے بعض ثقات نے تو اخبار کی صراحت کی ہے یعنی لفظ اخبرنا سے بیان کیا ہے (عن ابن المبارك قال اخبرنا عبدالرحمٰن بن یزید)

ب ابو ادریس والی زیادتی ابن مبارک کا وہم ہے کیونکہ ثقات کی ایک تعداد نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن یزید سے بیان کیا ہے مگر ابو ادریس والی زیادتی بیان نہیں کی جب کہ بعض نے تو بسر کے واثلہ سے سماع کی صراحت بھی کی ہے۔

۴۔ **زیادتی کو رد کرنے کی شرائط:** زیادتی کو رد کرنے اور اسے زیادتی کرنے والے کا وہم اعتبار کرنے کی دو شرائط ہیں' جو یہ ہیں:

ا جو زیادتی بیان کرتا نہیں وہ زیادتی کرنے والے سے زیادہ متقن اور حافظ ہو۔

ب زیادتی والی جگہ پر سماع کی تصریح واقع ہو۔ (یعنی اس سند میں جس میں زیادتی نہیں ہے) اور اگر یہ دونوں شرطیں یا کوئی ایک شرط مفقود ہو تو زیادتی راجح قرار پائے گی اور مقبول ہو گی اور وہ سند جو اس زیادتی سے خالی ہو گی منقطع شمار کی جائے گی لیکن یہ انقطاع خفی ہو گا اور اسی کا نام مُرسل خفی رکھا جاتا ہے۔

۵۔ زیادتی کے وقوع کے دعویٰ کی وجہ سے وارد ہونے والے اعتراضات:

زیادتی کے وقوع کا دعویٰ ثابت ہونے پر دو اعتراضات کئے گئے ہیں۔

ا اگر زیادتی سے خالی سند زیادتی والی جگہ پر حرف عن سے مروی ہے تو اسے منقطع قرار دینا مناسب ہو گا۔

ب اگر زیادتی والی جگہ میں سماع کی صراحت ہے تو پھر احتمال ہے کہ اس راوی نے اس شیخ سے پہلے ایک آدمی کے واسطے سے سماع کیا ہو۔ پھر ملاقات کر کے وہ حدیث سنی ہو تو اس احتمال کا جواب درج ذیل طریقے سے دیا جائے گا۔

ا پہلا اعتراض تو ایسے ہی ہے جیسے معترض نے فرمایا ہے۔

ب باقی جو دوسرا اعتراض ہے وہ اس سند میں ممکن ہے لیکن علما اس زیادتی پر وہم

حکم اس وقت لگاتے ہیں جب کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس کے وہم ہونے پر دلالت کرے۔

۶۔ مشہور ترین تصانیف:

"تمییز المزید فی متصل الاسانید" یہ خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

"مضطرب"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: مُضْطَرِبٌ اِضْطَرَبَ سے ماخوذ اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی معاملے کا خلل پذیر ہونا اور اس کے نظام کا فاسد ہونا۔ یہ اصل میں اضطراب الموج سے لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب موج کی حرکت زیادہ ہو جائے اور اس کا بعض حصّہ بعض سے ٹکرائے۔

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جو ایسے مختلف طریقوں سے مروی ہو جو قوت میں مساوی اور برابر ہوں۔

۲۔ تعریف کی شرح: یعنی وہ حدیث جو آپس میں ٹکرانے والی متعارض شکلوں سے مروی ہو اس طرح کہ ان کے درمیان کبھی بھی موافقت اور جمع ممکن نہ ہو اور یہ تمام روایات قوت میں بھی تمام پہلوؤں سے برابر ہوں۔ اس طرح کہ ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا ہر صورت میں ناممکن ہو۔

۳۔ اضطراب کے ثبوت کی شرائط: مضطرب کی تعریف اور اس کی شرح میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حدیث کا نام مضطرب اس وقت تک نہیں رکھا جا سکتا جب تک کہ اس میں دو شرائط متحقق اور ثابت نہ ہوں، جو یہ ہیں:

أ حدیث کی روایات میں ایسا اختلاف ہو کہ ان میں جمع و موافقت ممکن نہ ہو۔

ب قوت میں وہ روایات اس طرح برابر ہوں کہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو لیکن جب ایک روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل ہو یا مقبول صورت میں ان

کے درمیان جمع ممکن ہو تو حدیث سے اضطراب والی صفت اور خامی زائل ہو جائے گی اور ہم ترجیح کی صورت میں راجح روایت پر عمل کریں گے یا جمع کی صورت میں تمام روایات پر عمل کریں گے۔

۴۔ اقسام: مقام و محل اضطراب کے لحاظ سے مضطرب حدیث دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱) مضطرب السند۔ (۲) مضطرب المتن۔ سند میں اضطراب زیادہ واقع ہوتا ہے۔

۱۔ مضطرب السند اور اس کی مثال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث ((اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَرَاكَ شُبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُوْدُ وَاَخَوَاتُهَا.)) (رواه الترمذی كتاب التفسير)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں؟ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا مجھے سورت ہود اور ایسی سورتوں نے (جن میں قیامت کا نقشہ اور احوال ذکر ہیں مثلاً واقعہ' مرسلات وغیرہ نے) بوڑھا کر دیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث مضطرب ہے' یہ صرف ابواسحاق کی سند سے مروی ہے اور ابو اسحاق پر دس کے قریب وجوہات سے اختلاف کیا گیا ہے' بعض نے اسے مرسل بیان کیا ہے' بعض نے اسے موصول بیان کیا ہے اور بعض نے اسے مسند ابی بکر سے بیان کیا ہے' بعض نے اسے مسند عائشہ سے شمار کیا ہے وغیرہ ذالک۔ اب بیان کرنے والے تمام ثقہ ہیں' کسی روایت کو دوسری پر ترجیح دینا ممکن نہیں اور جمع بھی مشکل ہے۔

۲۔ مضطرب المتن اور اس کی مثال: وہ حدیث جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے ((عن شريك عن ابی حمزة عن الشعبی عن فاطمة بنت قيس رضی الله عنها قالت "سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكَاةِ فَقَالَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ.)) اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو اسی سند سے بیان کیا ہے مگر اس کے الفاظ یوں ہیں:

((لَيْسَ فِي الْمَالِ حَقٌّ سِوَى الزَّكَاةِ.))

امام عراقی فرماتے ہیں

یہ ایسا اضطراب ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں ہے۔

۵۔ اضطراب کس سے واقع ہوتا ہے؟

أ کبھی اضطراب ایک راوی سے واقع ہوتا ہے اس طرح کہ وہ حدیث کو مختلف وجوہ سے بیان کرتا ہے۔

ب کبھی اضطراب ایک جماعت سے واقع ہوتا ہے اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک اس حدیث کو ایسے طریقے سے بیان کرتا ہے جو دوسروں کی روایت کے مخالف ہوتا ہے۔

۶۔ مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب: مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اضطراب راویوں کے ضابط نہ ہونے کو بتاتا ہے۔

۷۔ مشہور ترین تصانیف:

"المقترب فی بیان المضطرب" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

"مصحف"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: مصحف ماخوذ ہے تصحیف سے' اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں صحیفہ میں غلطی اور خطا کرنا۔ اس لیے صحفی اسے کہا جاتا ہے جو صحیفہ کی قرات میں خطا کرتا ہے' اس کی قرات میں غلطی کی وجہ سے اس کے بعض الفاظ کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ (القاموس ج ۳ ص ۱۴۶)

اصطلاحی تعریف: حدیث میں موجود کلمہ جسے ثقات نے بیان کیا ہے اس کو لفظاً یا معناً بدل دینا۔

۲۔ اہمیت اور دقت : یہ ایک عظیم اور دقیق و مشکل فن ہے' اس کی اہمیت ان غلطیوں کے کھولنے اور انہیں واضح کرنے پر ظاہر ہوتی ہے جو بعض راویوں سے سرزد ہوئی ہیں۔ اس اہم فریضے کی قبا اور چادر سلے کردار قطنی جیسے ماہر حفاظ اور حاذق علما ہی کھڑے ہوئے ہیں۔

۳۔ تقاسیم: علما نے مصحف کی تین تقاسیم کی ہیں۔ ہر تقسیم الگ الگ اعتبار سے ہے۔
یہ تقاسیم مندرجہ ذیل ہیں :

ا۔ موقع و محل کے اعتبار سے: مصحف اپنے موقع و محل کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

تصحیف فی الاسناد اور اس کی مثال: شعبہ کی حدیث ہے جو عوام بن مراجم سے بیان کرتے ہیں۔ ابن معین نے اس میں تصحیف کی ہے اور کہتے ہیں عن العوام بن مزاحم (یعنی مراجم کی جگہ مزاحم بول دیا)

تصحیف فی المتن اور اس کی مثال : زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَرَ فِي الْمَسْجِدِ اِبْنِ لُهِيْعَه نے اس میں تصحیف کرتے ہوئے کہا کہ اِحْتَجَمَ فِي الْمَسْجِدِ (یعنی اِحْتَجَرَ کی جگہ اِحْتَجَمَ کا لفظ بول دیا)

ب۔ مصدر و ماخذ اور جائے پیدائش کے اعتبار سے: اس اعتبار سے بھی دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے' جو یہ ہیں :

تصحیف بصر: جو کہ زیادتی ہوتی ہے یعنی قاری کی نگاہ اور نظر میں خط اور لکھائی مشتبہ ہو جاتی ہے' خط کے ردی ہونے کے سبب سے یا نقطے اور اعراب نہ ہونے کی وجہ سے۔
مثال: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاتَّبَعَهُ سِتًّا مِنَ شَوَّال ---)) ابوبکر الصولی نے تصحیف کرتے ہوئے ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاتَّبَعَهُ شَيْئًا مِنَ شَوَّالٍ)) کہہ دیا ہے یعنی ستا کو شیئًا سے بدل دیا ہے۔

تصحیف سمع: یعنی تصحیف کے وقوع کا سبب قوت سماع کا بیکار ہونا ہو یا سننے والا دور بیٹھا ہوا ہو وغیرہ تو اس پر بعض کلمات جو کہ میزان صرفی میں ایک جیسے ہوں مشتبہ ہو جائیں۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جو عاصم الاحول سے مروی ہے' تو بعض راویوں نے تصحیف کرتے ہوئے واصل الاحدب کہہ دیا ہے۔ یعنی عاصم کو واصل سے اور الاحول کو الاحدب سے بدل دیا ہے۔

ج۔ لفظ اور معنی کے اعتبار سے: اس اعتبار سے تصحیف کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں

تصحیف فی اللفظ: جو زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ مثال میں ہوا ہے۔

تصحیف فی المعنی: یعنی تصحیف کرنے والا راوی لفظ کو اس کی حالت پر باقی رکھے لیکن اس کی ایسی تفسیر کرے جو واضح کرے کہ راوی نے اس کی مُراد نہیں سمجھی۔ اس کی مثال ابو موسیٰ العنزی کا قول ہے ((نَحْنُ قَوْمٌ لَّنَا شَرَفٌ نَحْنُ مِنْ عَنَزَةَ صَلَّی اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.)) اس سے مُراد یہ حدیث لیتا ہے:
((اَنَّ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی اِلٰی عَنَزَۃٍ.)) تو ابو موسیٰ کو وہم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے۔ حالانکہ العنزہ سے مُراد یہاں حربہ (برچھی) ہے جو کہ نمازی کے سامنے سترہ کے طور پر گاڑی جاتی ہے۔

۴۔ حافظ ابن حجر کی تقسیم: حافظ ابن حجر نے تصحیف کی تقسیم ایک اور انداز سے کی ہے۔ انہوں نے اسے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:

مصحف: ایسی تصحیف کہ جس میں خط کی شکل کو باقی رکھتے ہوئے حروف کے نقطوں کے لحاظ سے تبدیلی واقع ہو (جیسے مراجم سے مزاحم بنا دیا)

محرف: ایسی تصحیف جس میں صورت خط کو باقی رکھتے ہوئے حروف کی شکل کے لحاظ سے حروف میں تبدیلی ہو۔ (جیسے عاصم کو واصل اور احول کو احدب کرنا)

۵۔ کیا تصحیف راوی میں عیب اور جرح کا سبب بنتی ہے؟

ا: جب تصحیف راوی سے شاذ و نادر صادر ہو تو وہ اس راوی کے ضبط میں ضعف کا سبب نہیں بنتی کیونکہ خطا اور تھوڑی تصحیف سے تو کوئی بھی سلامت نہیں۔

ب: جب تصحیف کثرت سے واقع ہو تو یہ راوی کے ضبط میں ضعف کا سبب بنتی ہے اور یہ اس کے خفیف الضبط ہونے کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ راوی اس پائے کا نہیں، اور اس میدان کا آدمی نہیں۔

۶۔ راوی کا زیادہ تصحیف میں واقع ہونے کا سبب:

عام طور پر کسی راوی کے تصحیف میں واقع ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث کو

کتابوں اور صحیفوں سے اخذ کرتا ہے اور اساتذہ و مدرسین سے علمِ حدیث نہیں لیتا۔ اسی لیے ایسے آدمی سے ائمہ نے حدیث لینے سے منع کیا ہے۔

"لَا يُؤْخَذُ الحَدِيْثُ مِنْ صَحَفِيٍّ" کہ اس راوی سے حدیث نہ لی جائے جو صحیفوں سے حدیث اخذ کرتا ہے۔

۷۔ مشہور ترین تصانیف:

ا "التصحیف" دار قطنی کی لکھی ہوئی ہے۔

ب "اصلاح خطا المحدثین" یہ امام خطابی کی تصنیف ہے۔

ج "تصحیفات المحدثین" یہ ابو احمد عسکری کی تصنیف ہے۔

"شاذ و محفوظ"

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: یہ شذ سے ماخوذ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ شذ کے معنی ہیں انفرد وہ الگ ہوا۔ تو شاذ کے معنی ہوئے "جمہور سے الگ ہونے والا"

اصطلاحی تعریف: وہ حدیث جسے مقبول راوی روایت کرے اس طرح کہ وہ اپنے سے اولیٰ و اوثق و اعلیٰ کی مخالفت کرے۔

(ثقہ کی روایت جو اوثق یا ثقات جماعت کی روایت کے مخالف ہو)

۲۔ تعریف کی شرح:

مقبول: وہ راوی جس کا ضبط تام اور پختہ ہو یا ایسا عادل راوی جس کا ضبط خفیف ہو۔

اپنے سے اولیٰ: یعنی جو اس سے راجح ہو اپنے زیادہ ضبط کی وجہ سے یا کثرت تعداد کی وجہ سے یا ترجیح کے اسباب میں سے کسی اور سبب کے لحاظ سے۔

ویسے علما کے شاذ کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں لیکن مذکورہ تعریف وہ ہے جسے حافظ ابن حجر نے منتخب کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اصطلاح کے لحاظ سے شاذ کی تعریف میں معتدل اور معتمد علیہ تعریف یہی ہے (النخبۃ و شرحھا ص ۳۷)

۳۔ شذوذ کہاں واقع ہوتا ہے؟

شذوذ سند میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ متن میں بھی واقع ہوتا ہے۔

ا۔ سند میں شذوذ کی مثال: وہ حدیث جسے امام ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عیینہ کی سند سے بیان کیا ہے ((عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَن عَوسَجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ عنہما "اَنَّ رَجُلاً تَوَفَّى عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا مَوْلًى هُوَ اَعْتَقَهُ.))

اس حدیث کو موصول بیان کرنے پر ابن عیینہ کی متابعت ابن جریج وغیرہ نے کی ہے جب کہ حماد بن زید نے ان کی مخالفت کی ہے۔ اس نے اسے عمرو بن دینار سے وہ عوسجہ سے بیان کرتے ہیں' انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا۔ اسی لیے ابو حاتم نے کہا ہے کہ ابن عیینہ کی حدیث محفوظ ہے اور اگرچہ حماد بن زید صاحب عدالت اور صاحب ضبط ہے اس کے باوجود ابو حاتم نے ان کی روایت کو راجح قرار دیا ہے جو اس سے تعداد میں زیادہ ہیں۔

ب۔ متن میں شذوذ کی مثال: وہ حدیث جسے ابوداؤد اور ترمذی نے عبدالواحد بن زیاد کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مرفوعاً ((اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْفَجْرَ فَلْيَضْطَجِعْ عَنْ يَمِيْنِهِ.))

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عبدالواحد نے اس حدیث میں ایک بڑی تعداد کی مخالفت کی ہے' کیونکہ دوسرے لوگوں (راویوں) نے اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بیان کیا ہے نہ کہ آپ کے قول سے۔ اور ان لفظوں سے اعمش کے شاگردوں میں سے عبدالواحد منفرد اور اکیلا ہے (جو کہ قول سے بیان کرتا ہے)

۴۔ محفوظ: شاذ کے مدمقابل حدیث محفوظ ہے۔

وہ حدیث جسے اوثق بیان کریں' ثقہ کی روایت کی مخالفت کرتے ہوئے۔

مثال: شاذ کی انواع میں مذکورہ دونوں مثالیں محفوظ کی مثالیں ہیں۔

۵۔ شاذ اور محفوظ کا حکم: یہ معلوم ہے کہ شاذ مردود اور غیر مقبول حدیث ہوتی

ہے لیکن محفوظ مقبول حدیث ہے۔

"جھالة بالراوی"

(راوی میں طعن و عیوب کے اسباب میں سے آٹھواں سبب جھالة بالروای ہے)

۱۔ تعریف:

لغوی تعریف: جہل سے مصدر ہے الجھالة جو عِلم کی ضد ہے' جھالة بالروای سے مُراد راوی کی عدمِ معرفت ہے۔

اصطلاحی تعریف: راوی کی ذات یا اس کی حالت کی عدمِ معرفت کو جھالة بالراوی کہا جاتا ہے۔

۲۔ جہالت کے اسباب: جہالت بالروای کے تین اسباب ہیں :

ا۔ راوی کی صفات کا زیادہ ہونا: نام' کنیت' لقب' صفت' پیشہ یا نسب میں سے کسی چیز کے ساتھ مشہور ہو لیکن کسی مقصد کے پیش نظر غیر مشہور چیز کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے تاکہ یوں گمان ہو کہ یہ کوئی اور راوی ہے تو اس کی حالت سے جہالت اور ناواقفیت حاصل ہوتی ہے۔

ب۔ اس کی روایات کا کم ہونا: اس کی روایات کے کم ہونے کے سبب اس سے کم لوگ علم حاصل کرتے ہیں' بسا اوقات اس سے بیان کرنے والا صرف ایک راوی ہوتا ہے۔

ج۔ اس کے نام کی صراحت نہ ہونا: اختصار وغیرہ کی غرض سے راوی اس کے نام کی صراحت نہ کرتے ہوئے اس کے نام کو مبہم رکھتا ہے۔

مثالیں:

ا۔ کثرتِ صفات کی مثال: "محمد بن السائب بن بشر الکلبی" بعض نے اسے دادا کی طرف منسوب کرتے ہوئے محمد بن بشر اور بعض نے اس کا نام محمّد بن السائب اور بعض نے اس

کی کنیت یوں بیان کی ہے ابو النضر اور بعض نے ابو سعید اور بعض نے ابو ہشام۔
یہ راوی یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی جماعت ہے حالانکہ اکیلا اور واحد ہے۔

ب۔ قلت روایت راوی کی مثال: "ابو العشراء الدارمی" تابعین میں سے ہے' ان سے حماد بن سلمہ کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔

ج۔ نام کی عدم صراحت کی مثال: راوی کا یوں کہنا مجھے خبر دی فلاں نے یا شیخ نے یا رجل نے وغیرہ۔

۴۔ مجہول کی تعریف: وہ راوی جس کی ذات یا اس کی شخصیت اور وصف معلوم و معروف نہ ہو۔

مطلب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی جس کی ذات یا اس کی شخصیت مجہول ہو یا اس کی شخصیت معلوم ہو لیکن عدالت اور ضبط میں سے کوئی وصف بھی معلوم نہ ہو۔

۵۔ مجہول کی اقسام : یہ کہنا بجا ہے کہ مجہول کی تین انواع و اقسام ہیں۔

ا۔ مجہول العین :

ا۔ تعریف : وہ راوی جس کا نام ذکر کیا جائے لیکن اس سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہو۔

۲۔ روایت کا حکم : اس کی روایت غیر مقبول ہے۔ ہاں، اگر اس کی توثیق و تعدیل بیان کی جائے تو قبول ہو گی۔

۳۔ توثیق کیسی ہو : دو اُمور میں سے ایک کے ساتھ توثیق و تعدیل مذکور ہو۔
ا اس کی توثیق وہ راوی کرے جو اس سے روایت نہیں کرتا۔
ب یا اگر اس سے روایت کرنے والا توثیق بیان کرے تو اس شرط کے ساتھ کہ وہ جرح و تعدیل کے علما و ماہرین میں سے ہو۔

۴۔ کیا اس کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ اس کی حدیث کے لیے کوئی خاص نام نہیں بلکہ یہ ضعیف کی انواع میں سے ایک حدیث ہے۔

ب۔ **مجہول الحال** :اسے مستور بھی کہتے ہیں۔

۱۔ **تعریف** : وہ راوی جس سے بیان کرنے والے دو یا زیادہ ہوں لیکن اس کی توثیق و تعدیل بیان نہ ہو۔

۲۔ **روایت کا حکم** : مَردود اور غیر مقبول ہے۔ جمہور محدثین کا منتخب شدہ قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔

۳۔ **کیا اس کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟** اس کی حدیث کا کوئی خاص نام نہیں ہے' اس کی حدیث بھی ضعیف کی اقسام میں سے ایک ہے۔

ج۔ **مبہم** : مبہم کا شمار مجہول کی قسموں میں کرنا ممکن اور مناسب ہے اگرچہ علمائے محدثین نے اس پر ایک خاص نام کا اطلاق کیا ہے لیکن اس کی حقیقت مجہول کی حقیقت کے مشابہ ہے۔

۱۔ **تعریف** :وہ راوی جس کا نام حدیث میں واضح اور صراحت سے بیان نہ ہو۔

۲۔ **روایت کا حکم** :غیر مقبول ہے۔ ہاں جب اس کا شاگرد اس کے نام کی صراحت کرے تو مقبول ہو گی یا کسی اور سند کی وجہ سے جس میں اس کا نام مذکور اور واضح ہو' اس کے نام کی صراحت ہو۔ اس کی روایت کو رد کرنے اور قبول نہ کرنے کا سبب اس کی ذات و شخصیت کا مجہول ہونا ہے' کیونکہ جس راوی کا نام مبہم رکھا گیا ہو اس کی ذات اور شخصیت مجہول ہو جاتی ہے اور پھر عدالت بالاولی مجہول ہوتی ہے لہٰذا اس کی روایت مقبول نہیں ہو گی۔

۳۔ **اگر وہ تعدیل و توثیق کے الفاظ سے ابہام کرے (راوی کو مبہم رکھے) تو کیا اس کی روایت مقبول ہو گی؟**

یہ اس طرح ہے مثلاً روایت کرنے والا یوں کہے اخبرنی الثقة یا اخبرنی العدل۔

جواب۔ صحیح اور درست قول کے مطابق اس کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ

بسا اوقات ایک راوی اس کے نزدیک ثقہ ہو مگر دوسروں کے نزدیک ضعیف اور غیر ثقہ ہو۔

۴۔ کیا اس کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ ہاں اس کی حدیث کا ایک خاص نام ہے "المبہم" تو مبہم حدیث وہ ہوئی جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس کے نام کی تصریح نہ کی گئی ہو۔ امام بیقونی نے اپنے منظومہ میں فرمایا ہے۔ ومبهم مافيه راو لم يسم

۶۔ جہالت کے اسباب سے متعلق مشہور ترین تصانیف :

۱۔ راوی کی نعوت کے لیے کثرتِ الفاظ : اس بارے میں خطیب بغدادی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "موضح اوهام الجمع والتفريق" ہے۔

۲۔ راوی کا بہت تھوڑا روایت کرنا : اس کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جو وحدان کے نام سے موسوم ہیں یعنی ایسی کتابیں جو ان رواۃ پر مشتمل ہیں جن سے بیان کرنے والا راوی صرف ایک ہے۔ ان میں سے ایک امام مسلم کی تصنیف الوحدان ہے۔

۳۔ راوی کے نام کی تصریح نہ کرنا : اس کے بارے میں مبہمات نام کی کتب تصنیف کی گئی ہیں جیسے خطیب بغدادی کی "الاسماء المبهمة في الانباء المحكمة" اور ولی الدین العراقی کی "المستفاد من مبهمات المتن والاسناد" تصنیف ہے۔

"بدعت"

(راوی میں طعن و عیوب کے اسباب میں سے یہ نوواں سبب ہے)

۱۔ تعریف :

لغوی : یہ بدع سے مصدر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں انشاء جیسے ابتدع ہے ایسے ہی مرقوم ہے (گویا کہ بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز یا نیا کام)

اصطلاحی : دین کامل و اکمل ہونے کے بعد اس میں نئی چیز پیدا کرنا اور بنانا۔ یا نبی اکرم

ﷺ کی زندگی کے بعد خواہشات و اعمال میں (دین کے حوالے سے) نئے کام جاری کرنا۔

۲۔ اقسام : بدعت کی دو قسمیں ہیں :

ا۔ **بدعت مکفرہ** : یعنی جس کا مرتکب کافر قرار دیا جاتا ہے اس طرح کہ وہ ایسا اعتقاد رکھے جو کفر کو مستلزم ہے' اور معتمد بات یہ ہے کہ جس بدعتی کی روایت مَردود اور غیر مقبول ہوتی ہے' یہ وہ ہے جو دین کے بنیادی اور معروف شرائع میں سے کسی امر متواتر کا انکار کرے یا اسکے بد مقابل اور بر عکس اعتقاد رکھے۔ (نخبة الفكر و نزهة النظر ص ۵۲)

ب۔ **بدعت مفسقہ** : یعنی جس کا مرتکب فاسق و گناہ گار قرار دیا جاتا ہے' وہ راوی جس کی بدعت اصلاً کفر کا تقاضہ نہ کرتی ہو یعنی کفر کو مستلزم نہ ہو۔

۳۔ بدعتی کی روایت کا حکم :

ا اگر اس کی بدعت بدعت مکفرہ ہے تو اس کی روایت مَردود ہے اور غیر مقبول ہے۔

ب اگر اس کی بدعت بدعت مفسقہ ہے تو صحیح اور جمہور کے قول کے مطابق اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ قبول کی جائے گی' جو یہ ہیں :

۱ وہ روایت اس کی بدعت کی طرف دعوت دینے والی نہ ہو۔

۲ وہ ایسی روایت بیان نہ کر رہا ہو جو اس کی بدعت کو رواج دیتی ہے۔

۴۔ کیا بدعتی کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟

بدعتی کی روایت کا کوئی خاص نام نہیں ہے' پس اس کی حدیث مَردود کی قسموں سے ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اس کی روایت قبول صرف مذکورہ شرائط کی موجودگی میں کی جاسکتی ہے (ورنہ مَردود ہوگی)

"سوءِ حفظ"

(یہ راوی میں طعن کے اسباب میں سے دسواں سبب ہے)

۱۔ **تعریف** : وہ راوی جس کی درستی والی جانب خطا والی جانب پر راجح نہ ہو۔ (یعنی وہ راوی جس سے خطا اور غلطی زیادہ ہو درست و صحیح بات کبھی کبھی ہو)

۲۔ انواع : اِس کی دو قسمیں ہیں :

أ سوءِ حفظ ابتدائے حیات سے ہو اور تمام حالات میں اس کو لازم اور اس پر حاوی رہے۔ بعض محدثین کی رائے کے مطابق اس راوی کی روایت کو شاذ کہا جاتا ہے۔

ب سوءِ حفظ حادثاتی ہو : بڑھاپے کی وجہ سے یا آنکھوں کی بینائی چلے جانے سے یا کتابیں جل جانے کی وجہ سے تو اس کا نام مختلط ہے۔

۳۔ اس کی روایت کا حکم :

۱۔ جو راوی پیدائشی طور پر سوءِ حفظ کا شکار ہو اس کی روایت مَردود ہے۔

۲۔ مختلط راوی کی روایت کے حکم میں درج ذیل تفصیل ہے۔

أ جو اختلاط سے پہلے بیان کیا اور وہ واضح اور ممتاز ہے وہ مقبول ہے۔

ب جو اختلاط کے بعد بیان کیا وہ مَردود اور غیر مقبول ہے۔

ج وہ روایات جن میں یہ فرق نہیں ہو سکا کہ وہ اختلا[illegible] پہلے بیان کیں یا بعد میں، تو ان کو قبول کرنے سے توقف کیا جائے حتیٰ کہ [illegible] ہو [illegible]۔

چوتھی فصل

مقبول اور مَردود کے مابین مشترک خبر

پہلی بحث : مسند الیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے خبر کی تقسیم
دوسری بحث : مقبول اور مَردود کے مابین متفرق مشترک انواع

پہلی بحث

مسند الیہ کے لحاظ سے خبر کی تقسیم

مسند الیہ کے اعتبار سے خبر چار قسموں میں تقسیم ہوتی ہے، جو یہ ہیں :
حدیثِ قدسی، مرفوع، موقوف، مقطوع۔
اب ان اقسام کی تفصیل بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

حدیثِ قدسی

ا۔ تعریف :

لغوی : قدسی قدس کی طرف نسبت ہے یہ معنی طہر یعنی پاک جیسا کہ قاموس میں ہے یعنی وہ حدیث جو ذات قدسیہ جو اللہ تعالیٰ ہے' کی طرف منسوب ہو۔ (جلد اول ص ۲۴۸)

اصطلاحی : وہ حدیث جو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہم تک منقول ہو اور آپ اس کی سند اللہ تعالیٰ تک بیان کریں۔

۲۔ حدیثِ قدسی اور قرآن مجید کے درمیان فرق :

اس ضمن میں بہت سے فرق ہیں' زیادہ مشہور درج ذیل ہیں :

ا قرآن مجید کے معنی اور لفظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جب کہ حدیث قدسی کے معنی اللہ کی جانب سے ہیں اور لفظ نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہیں۔

ب قرآن کی تلاوت بطور عبادت کی جاتی ہے جب کہ حدیثِ قدسی کی تلاوت بطورِ عبادت نہیں کی جاتی۔

ج قرآن مجید کے ثبوت میں تواتر کی شرط لگائی جاتی ہے جب کہ حدیثِ قدسی کے ثبوت میں تواتر شرط نہیں۔

۳۔ احادیثِ قدسیہ کی تعداد : احادیث نبویہ کی کل تعداد کی نسبت سے احادیثِ قدسیہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ان کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔

۴۔ مثال : وہ حدیث جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے' وہ نبی اکرم ﷺ سے اور آپؐ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
((يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا.)) (صحیح مسلم شرح نووی ج ۱۶ ص ۱۳۱)

۵۔ بیان کرنے کے الفاظ : حدیث قدسی کے راوی کے لیے دو طرح کے الفاظ ہیں' ان میں سے جس سے وہ چاہے روایت کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہیں :

أ ((قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فِیْمَا یَرْوِیْهِ عَنْ رَّبِّهِ عَزَّوَجَلَّ.))

ترجمہ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

ب ((قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْمَا رَوَاہُ عَنْہُ رَسُوْلُہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.))

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے اس کے رسولؐ نے بیان کیا ہے۔

۶۔ مشہور ترین تصانیف :

"الاتحافات السنیه بالاحادیث القدسیه" یہ عبدالرؤف مناوی کی تصنیف ہے۔ اس میں ۲۷۲ حدیثیں جمع کی ہیں۔

"مرفوع"

۱۔ تعریف :

لغوی : رفع فعل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جو کہ وضع کی ضد ہے۔ اس حدیث کا نام مرفوع اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی نسبت بلند و رفیع مقام والے کی طرف ہوتی ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ ہیں۔

اصطلاحی : وہ قول، فعل، تقریر یا صفت جو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہو اور اس کی اضافت آپ کی طرف ہو۔

۲۔ تعریف کی تشریح : یعنی وہ چیز جو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہو یا اس کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہو خواہ وہ چیز قول یا بات ہو یا فعل یا تقریر و سکوت ہو یا کوئی صفت و خوبی ہو اس لحاظ سے کہ وہ اضافت کرنے والا خواہ صحابی ہو یا اس سے کم درجے کا ہو۔ اس کی سند متصل ہو یا منقطع ہو۔ گویا کہ مرفوع میں موصول، مرسل، متصل اور منقطع سب شامل ہیں۔ اس کی حقیقت میں مشہور یہی بات ہے۔ اگرچہ اس کی تعریف اور حقیقت کے بارے میں اور بہت سے اقوال ہیں۔

۳۔ انواع : مرفوع کی تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی چار قسمیں ہیں :

(۱) مرفوع قولی (ب) مرفوع فعلی (ج) مرفوع تقریری (د) مرفوع وصفی

۴۔ مثالیں :

ا۔ **مرفوع قولی کی مثال:** صحابی یا غیر صحابی کہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا۔

ب۔ **مرفوع فعلی کی مثال :** صحابی یا کوئی اور کہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں کیا۔

ج۔ **مرفوع تقریری کی مثال :** صحابی یا غیر صحابی کہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں یوں کیا گیا اور آپ ﷺ سے اس کا انکار منقول نہ ہو۔

د۔ **مرفوع وصفی کی مثال :** صحابی یا غیر صحابی یوں کہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

"موقوف"

ا۔ تعریف :

لغوی : وقف سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ گویا کہ راوی حدیث لے کر صحابی پر ٹھہر جاتا ہے اور وہیں توقف کرتا ہے' باقی سلسلہ اسناد کو نہیں چلاتا۔

اصطلاحی : وہ قول' فعل یا سکوت جس کی اضافت صحابی کی طرف ہو۔

۲۔ تعریف کی تشریح : وہ چیز جو کہ منسوب یا مضاف ہو ایک صحابی کی طرف یا صحابہ کی ایک جماعت کی طرف۔ برابر ہے کہ منسوب الیہم چیز قول ہو یا فعل یا سکوت ہو اور یہ بھی برابر ہے کہ متصل ہو یا منقطع ہو۔

۳۔ مثالیں :

ا۔ **موقوف قولی کی مثال :** راوی کا یہ قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا ((حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ.))
"لوگوں کو وہ چیز بیان کرو جسے وہ سمجھ سکیں' کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے۔" (بخاری)

ب۔ موقوف فعلی کی مثال : امام بخاری رحمہ اللہ کا قول " اَمَّ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَھُو مُتَیَمِّمٌ " کہ "عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تیمم کی حالت میں امامت کرائی۔" (بخاری کتاب التیمم)

ج۔ موقوفِ تقریری کی مثال : مثال کے طور پر کوئی تابعی یوں کہے :

"فَعَلْتُ کَذَا اَمَامَ اَحَدِ الصَّحَابَۃِ وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیَّ"

"میں نے ایک صحابی کے سامنے یوں کیا اور انہوں نے میری نکیر نہیں کی۔"

۴۔ موقوف کا ایک اور استعمال : اسم موقوف کو صحابہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے منقول خبر پر بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن ساتھ قید لگائی جاتی ہے مثلاً کہا جائے "ھٰذَا حَدِیْثٌ وَقَفَہٗ فُلَانٌ عَلَی الزُّھْرِی اَوْ عَلٰی عَطَاءٍ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ"۔

"اس حدیث کو فلاں نے زہری پر یا عطاء بن ابی رباح پر موقوف بیان کیا ہے۔"

(زہری اور عطا دونوں تابعین میں سے ہیں)

۵۔ خراسان کے فقہا کی اصطلاح :

خراسان کے فقہا' مرفوع کا نام خبر' موقوف کا نام اثر رکھتے ہیں۔ جب کہ محدثین کرام ان میں سے ہر ایک کا نام اثر رکھتے ہیں' کیونکہ یہ اثرت الشئی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے اسے روایت کیا اور بیان کیا ہے۔

۶۔ فروعات جو حکماً مرفوع سے تعلق رکھتی ہیں : چند صورتیں ہیں جو الفاظ اور شکل میں موقوف نظر آتی ہیں لیکن دُور اندیش در باریک بین جب ان کی حقیقت کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث کے معنی میں ہے۔ اس لیے علما نے ان پر مرفوع حکماً کے نام کا اطلاق کیا ہے یعنی وہ لفظاً موقوف ہیں مگر حکماً مرفوع ہیں۔

اس کی صورتوں میں سے:

ا۔ ایسا صحابی جو اہل کتاب سے روایت نہیں لیتا وہ ایسی بات بیان کرے جس میں اجتہاد و

رائے کی گنجائش اور اس کا دخل نہ ہو اور نہ وہ لغت یا غریب الفاظ کی تشریح سے متعلق ہو تو اس کا یہ قول مرفوع ہے' جیسے مثال کے طور پر :

۱ گذشتہ اُمور کے بارے میں خبریں دینا' مخلوق کی پیدائش کی خبریں وغیرہ۔

۲ آنے والے اُمور سے متعلق خبریں دینا جیسے لڑائیاں اور فتنے ہیں یا قیامت کے حالات وغیرہ کا بیان کرنا۔

۳ ان اعمال کی خبریں دے جن کے کرنے پر خاص ثواب حاصل ہوتا ہو یا خاص عقاب و سزا کی وعید ہو جیسے وہ کہے (من فعل کذا فله کذا) جس نے فلاں کام کیا اس کے لیے اتنا ثواب ہے۔

ب۔ یا صحابی ایسا کام کرے جس میں اجتہاد و رائے کی گنجائش نہ ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نماز کسوف کو ہر رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کر کے ادا کرنا۔

ج۔ یا صحابی خبر دے کہ وہ فلاں بات کہتے یا فلاں کام کرتے تھے یا فلاں چیز میں وہ کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

۱ اب اگر وہ اس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف منسوب کرتا ہے تو صحیح قول کے مطابق وہ مرفوع ہے جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :
((كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.)) (بخاری و مسلم)
ہم "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کرتے تھے۔"

۲ اگر وہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف منسوب نہیں کرتا تو وہ جمہور محدثین کے نزدیک موقوف ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ((كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا)) (بخاری)
"ہم جب بلندی پر چڑھتے اللہ اکبر کہتے اور جب نشیب میں اُترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔"

د۔ یا صحابی یہ کہے کہ ہمیں یہ کام کرنے کا حکم دیا گیا یا فلاں کام سے منع کیا گیا یا فلاں کام سنت سے ہے۔ جیسے ایک صحابی (حضرت انس رضی اللہ عنہ) کا فرمان ہے کہ ((اُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ.))

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دوہرے کہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ کہیں۔“ (بخاری و مسلم)

یا اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے ((نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا.)) (بخاری و مسلم)

ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے مگر تاکیداً نہیں کہا گیا یعنی لازم نہیں کیا گیا۔ یا ابو قلابہ کا قول ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں :

((مِنَ السُّنَّةِ اِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا.)) (بخاری و مسلم)

”سنت یہ ہے کہ جب آدمی ثیب پر کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے گا۔“

ھ۔ راوی حدیث کے بیان میں صحابی کا ذکر کر کے ان چار کلمات میں سے کوئی کلمہ ذکر کرتا ہے۔ يَرْفَعُهُ' يَنْمِيهِ' يَبْلُغُ بِهِ' رِوَايَةً جیسے اعرج کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ((تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا صِغَارَ الْاَعْيُنِ.)) (بخاری)

”تم چھوٹی آنکھوں والی قوم سے لڑائی کرو گے۔“

و۔ یا صحابی ایسی تفسیر کرتا ہے جس کا آیت کے سبب نزول کے ساتھ تعلق ہو جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے : ((كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَ تَقُوْلُ مَنْ اَتَى اِمْرَاَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِيْ قُبُلِهَا جَاءَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تعالٰى ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ .)) (الآیہ)

ترجمہ : یہودی کہا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی سے پیچھے کی جانب سے قبل میں دخول کرتا ہے تو بچہ بھینگا ہوتا ہے' اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل کر دی۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جیسے چاہو اپنی کھیتیوں کو آؤ۔ (رواہ مسلم)

۷۔ کیا موقوف سے حجت لی جائے گی :

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ موقوف روایت کبھی صحیح ہوتی ہے' کبھی حسن اور کبھی ضعیف ہوتی ہے' لیکن اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو کیا اس سے حجت پکڑی جائے گی۔

جواب : موقوف میں اصل یہ ہے کہ اس سے حجت نہ لی جائے کیونکہ وہ صحابہ کرام کے

اقوال و افعال ہیں لیکن اگر وہ صحیح ثابت ہوں تو بعض ضعیف احادیث کو قوی بناتے ہیں جیسا کہ مرسل میں بیان ہوا ہے' کیونکہ صحابہ کی اصل حالت یہی ہے کہ وہ سنت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ یہ اس وقت ہے جب قول صحابی مرفوع کے حکم میں نہ ہو لیکن جب موقوف مرفوع کے حکم میں ہو تو وہ مرفوع کی طرح حجت اور دلیل قطعی ہے۔

"مقطوع"

ا۔ تعریف :

لغوی : یہ قطع سے اسم مفعول کا صیغہ ہے قطع وصل کی ضد ہے۔

اصطلاحی : وہ قول یا فعل جو تابعی یا اس سے نیچے طبقے والے (تبع تابعی وغیرہ) کی طرف منسوب ہو۔

۲۔ تعریف کی شرح : وہ قول یا فعل جو نسبت کیا گیا ہو یا اس کی سند بیان کی گئی ہو تابعی یا تبع تابعی یا کسی نچلے طبقے کے راوی کی طرف مقطوع منقطع کا غیر ہے کیونکہ مقطوع متن کی صفات میں سے ہے اور منقطع سند کی صفات میں سے ہے یعنی مقطوع حدیث تابعی یا نیچے والے کا کلام ہوتا ہے۔ کبھی اس تابعی تک اس کی سند متصل ہوتی ہے جب کہ منقطع کے معنی ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے تو اس کا متن سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ مثالیں :

(ا) مقطوع قولی کی مثال : بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے سے متعلق حسن بصری کا فرمان (صل و علیه بدعته) تم اس کے پیچھے نماز پڑھ لو' اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہوگا۔ (بخاری)

(ب) مقطوع فعلی کی مثال : ابراہیم بن محمد بن المنتشر کا فرمان ہے :

((كَانَ مَسْرُوْقٌ يُرْخِيَ السِّتْرَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اَهْلِهٖ وَ يُقْبِلُ عَلٰى صَلَاتِهٖ وَ يُخَلِّيهِمْ وَ دُنْيَاهُمْ.))

ترجمہ : مسروق رحمہ اللہ اپنے اور گھر والوں کے درمیان پردہ لٹکا دیتے تھے اور اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور گھر والوں اور دُنیا کو چھوڑ دیتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۹۶)

۴۔ **مقطوع سے حجت پکڑنے کا حکم** : مقطوع روایت سے احکام شرعیہ میں سے کسی بھی حکم کے لیے حجت نہیں لی جا سکتی اگرچہ اس کی سند درست ہو کیونکہ یہ ایک مسلمان کا قول ہے یا فعل ہے لیکن اگر وہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس کے مرفوع ہونے پر دلالت کرے جیسے تابعی کے ذکر کے وقت راوی یوں کہے' یرفعہ تو اس وقت اس کا حکم مرفوع مرسل کا ہوگا۔

۵۔ **مقطوع کا منقطع پر اطلاق کرنا** : بعض محدثین لفظ مقطوع بول کر منقطع مُراد لیتے ہیں مثلاً امام شافعی اور طبرانی۔ ان کے نزدیک منقطع سے مُراد وہ روایت ہے جس کی سند متصل نہ ہو۔ اور یہ غیر مشہور اصطلاح ہے۔

امام شافعی کی جانب سے تو یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس اصطلاح کے مقرر ہونے سے پہلے اس کا استعمال کیا تھا لیکن طبرانی نے اس کا استعمال عام اصطلاح سے ہٹ کر کیا ہے (اور تکلف سے جواز کا پہلو نکالا ہے)

۶۔ **موقوف اور مقطوع کے مقامات** :

ا مصنف ابن ابی شیبہ۔
ب مصنف عبدالرزاق۔
ج ابن جریر' ابن ابی حاتم اور ابن المنذر کی تفسیریں۔

دوسری بحث

مقبول اور مردود کے درمیان دوسری مشترک انواع

مسند

۱۔ تعریف :

لغوی : یہ اسند سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی اس نے اسے منسوب کیا اور اس کی اضافت کی۔

اصطلاحی : وہ حدیث جس کی سند نبی اکرم ﷺ تک مرفوع متصل ہو۔ (یہ وہ تعریف ہے جس کا امام حاکم نے قطعی فیصلہ دیا ہے اور ابن حجر نے نخبة الفکر میں اس کو بالجزم بیان کیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی تعریفیں موجود ہیں)

۲۔ مثال :

وہ حدیث جو امام بخاری نے بیان کی ہے فرمایا : ((حدثنا عبداللہ بن یوسف عن مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعًا.)) (بخاری)

یعنی فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن سے پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھوئے۔

اس کی سند اول تا آخر متصل ہے اور نبی اکرم ﷺ تک مرفوع بھی ہے۔

متصل

۱۔ تعریف :

لغوی :اتصل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور یہ انقطع کی ضد ہے؛ اس کو موصول بھی کہتے ہیں۔

اصطلاحی :وہ مرفوع یا موقوف حدیث جس کی سند متصل ہو۔

۲۔ مثال:

مرفوع متصل کی مثال :((مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال كذا.))

موقوف متصل کی مثال :مالك عن نافع عن ابن عمر انه قال كذا

۳۔ کیا تابعی کے قول کا نام متصل رکھا جا سکتا ہے؟

حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ تابعین کے اقوال جب ان کی اسناد متصل ہوں تو انہیں مطلقاً متصل کا نام نہیں دیا جا سکتا ہاں قید کے ساتھ جائز ہے جو کہ علما کی کلام میں موجود ہے جیسے ان کا کہنا ہے کہ یہ روایت سعید بن مسیب تک متصل ہے یا یہ امام زہری تک یا یہ امام مالک وغیرہ تک متصل ہے' اس میں نکتہ اور باریک فرق یہ ہے کہ ان کا نام مقاطیع رکھا جاتا ہے اور ان پر متصل کا عام اطلاق کرنا ایسے ہے جیسے ایک چیز کے لغوی اعتبار سے دو متضاد وصف بیان کئے جائیں۔

زیاداتِ ثقات

۱۔ زیاداتِ ثقات کا مفہوم :زیادات جمع ہے زیادۃ کی اور ثقات جمع ہے ثقہ کی اور ثقہ سے مُراد عادل اور ضابط ہے۔ ثقہ کی زیادتی سے مُراد کسی ثقہ راوی کی روایت میں موجود وہ زائد الفاظ ہیں جو دوسرے ثقات نے اس حدیث میں بیان نہیں کیے۔

۲۔ زیادتی کا اہتمام کرنے والوں میں سے مشہور ترین : بعض احادیث میں بعض ثقہ راویوں سے ثابت ان زیادات نے علما کی نظروں کو متوجہ کیا تو انہوں نے ان کی تحقیق کی' انہیں جمع کرنے کا اور ان کی معرفت کا اہتمام کیا' اس بارے میں مشہور ترین ائمہ یہ ہیں :

(ا) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشاپوری۔ (۲) ابو نعیم جرجانی (۳) ابوالولید حسان بن محمد قرشی۔

۳۔ ان کا محل وقوع :

ا۔ متن میں : متن میں ایک کلمہ یا جملہ کی زیادتی ہوتی ہے۔

۲۔ اسناد میں : موقوف کو مرفوع بیان کرنا یا مرسل کو موصول بیان کرنا۔

۴۔ متن میں زیادتی کا حکم : متن میں زیادتی کے حکم کے بارے میں علما نے اختلاف کیا ہے' ان کے اس بارے میں کئی قول ہیں :

ا بعض نے مطلقاً اس زیادتی کو قبول کیا ہے۔

ب بعض نے مطلقاً اسے رد کیا ہے۔

ج بعض نے اس راوی حدیث سے زیادتی کو رد کر دیا جس نے اس زیادتی کو پہلے پہل ذکر کیا اور دوسرے راویوں سے اسے قبول کیا ہے۔

(علوم الحدیث ص ۷۷' الکفایہ ص ۴۲۴)

ابن الصلاح نے زیادتی کو قبول و رد کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ بہت اچھی تقسیم ہے۔ امام نووی وغیرہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ وہ تقسیم یہ ہے :

ا ایسی زیادتی جس میں ثقات یا اوثق کی روایات کی نفی اور مخالفت نہ ہو' اس کا حکم قبول کا ہے کیونکہ یہ ایک حدیث کی طرح ہے جسے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا ہے۔

ب ایسی زیادتی جو ثقہ یا اوثق کی روایت کے منافی اور مخالف ہے' اس کا حکم مردود ہے جیسا کہ شاذ میں گذر چکا ہے۔

ج ایسی زیادتی جس میں ثقات یا اوثق کی روایات سے مخالفت اور نفی کی ایک نوع

موجود ہے۔ یہ مخالفت اور منافی زیادتی دو اُمور میں منحصر ہے۔

ا۔ مطلق کو مقید کرنا۔ ۲۔ عام کو خاص کرنا۔

اس قسم کے حکم سے ابن الصلاح خاموش رہے ہیں اور امام نووی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ زیادتی کی یہ قسم بھی مقبول ہے۔ (التقریب مع التدریب ج ۱ ص ۲۴۷)

۵۔ متن میں زیادتی کی مثالیں :

ا۔ وہ زیادتی جس میں مخالفت اور نفی نہیں ہے : وہ حدیث جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے علی بن مسہر کے طریق سے، وہ اعمش سے، وہ ابو رزین اور ابو صالح سے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اس کلمہ کی زیادتی کے ساتھ "فلیر قہ" ولوغ الکلب کی حدیث میں۔ اعمش کے تمام شاگرد اس زیادتی کو ذکر نہیں کرتے بلکہ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں "اذا ولغ الکلب فی اناء احد کم فلیغسلہ سبع مرار" تو یہ زیادتی ایک مستقل حدیث اور خبر کی طرح ہے جسے اکیلے علی بن مسہر بیان کرتے ہیں اور وہ ثقہ ہیں تو یہ زیادتی مقبول ہے۔

ب۔ مخالفت اور منافی والی زیادتی : "یومِ عرفہ" لفظ کی زیادتی جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے ((یَوْمُ عَرَفَةَ وَ يَوْمُ النَّحْرِ وَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُنَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَهِيَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ.)) یہ حدیث اپنے تمام طرق میں یوم عرفہ کی زیادتی کے بغیر بیان ہوئی ہے صرف اس زیادتی کو موسیٰ بن علی نے بیان کیا ہے۔ ((مُوْسَى بْنُ عَلِي بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ.)) اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (یہ زیادتی چونکہ ثقات کی مخالفت میں ہے اس لیے مقبول نہیں)

ج۔ وہ زیادتی جس میں مخالفت اور نفی کی ایک نوع موجود ہے : وہ حدیث جسے امام مسلم نے بیان کیا ہے ((اَبُوْ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (---- وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا.)) اس میں تُرْبَتُهَا کی جو زیادتی ہے، اسے صرف مالک اشجعی نے بیان کیا ہے جب کہ دیگر نے بیان نہیں کیا، باقی یوں کرتے ہیں ((وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا.)) (صحیح مسلم شرح نووی ج ۵ ص ۴)

۶۔ **سند میں زیادتی کا حکم**: یہاں پر اسناد میں زیادتی دو بنیادی مسئلوں پر موقوف ہے جن کا وقوع اکثر ہوتا ہے۔

ا وصل کا ارسال کے ساتھ تعارض (اکثر راویوں نے ایک حدیث کو مرسل بیان کیا ہوتا ہے جب کہ ایک اسے موصول بیان کرتا ہے)

۲ مرفوع کا موقوف کے متعارض ہونا۔ (تمام راوی موقوف بیان کریں جب کہ ایک راوی اسے مرفوع بیان کرے)

اسناد میں زیادتی کی باقی جتنی صورتیں ہیں ان کے لیے علما نے الگ الگ مستقل بحثیں کی ہیں اور کتابیں لکھی ہیں جیسے المَزِیْدُ فِی مُتَّصِلُ الاَسَانِیْد۔

مذکورہ زیادتی کے قبول اور رد کرنے میں علما نے چار اقوال پر اختلاف کیا ہے۔

ا حکم اور فیصلہ اس کے حق میں ہے جو اسے موصول یا مرفوع بیان کرتا ہے یعنی زیادتی مقبول ہے یہ جمہور فقہاء اور اصولیوں کا قول ہے (خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے)

ب حکم اس کے حق میں ہے جو اسے مرسل یا موقوف بیان کرتا ہے یعنی زیادتی مَردود ہے۔ یہ اکثر محدثین کا قول ہے۔

ج فیصلہ اکثریت کے حق میں ہوگا۔ یہ بعض محدثین کا قول ہے۔

د فیصلہ زیادہ حافظ اور ضابط راوی کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی بعض محدثین کا قول ہے۔

مثال: ((لَانِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍ)) والی حدیث۔ اس حدیث کو یونس بن ابی اسحاق سبیعی اور اس کے بیٹے اسرائیل اور قیس بن ربیع نے ابو اسحاق سے مسند متصل بیان کیا ہے جب کہ سفیان ثوری اور شعبہ بن حجاج نے اسے ابواسحاق سے مرسل بیان کیا ہے۔

اعتبار‘ متابع‘ شاھد

ا۔ اعتبار :

لغوی تعریف : اِعتَبَر سے مصدر ہے‘ اعتبار کے معنی ہیں کئی اُمور اور اشیا میں غور کرنا تاکہ ان کی جنس کی دوسری چیزیں معلوم کی جائیں۔

اصطلاحی تعریف : منفرد راوی کی حدیث کے طرق اور اس کی سندوں کی تحقیق و تفتیش اور تلاش تاکہ معلوم ہو کہ اس روایت میں کوئی اور بھی شریک ہے یا نہیں۔

ب۔ متابع : اسے تابع بھی کہا جاتا ہے۔

لغوی تعریف : تابع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں وافق کہ اس کی موافقت کی اور شریک ہوا۔

اصطلاحی تعریف : غریب اور منفرد حدیث کے راوی لفظ اور معنی میں یا صرف معنی میں دوسرے راوی کی موافقت اور مشارکت کریں جب کہ صحابی ایک ہو (تو اسے متابع کہتے ہیں)

ج۔ شاھد :

لغوی تعریف : شھادۃ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے‘ اس کا شاھد اس لیے نام دیا گیا ہے کہ وہ اس حدیث کی اصل کی گواہی دیتا ہے اور اسے محفوظ اور قوی کرتا ہے جس طرح کہ گواہ مدعی کی بات کو قوی کرتا اور اس کا سہارا بنتا ہے۔

اصطلاحی تعریف : غریب اور منفرد حدیث کے راوی کی لفظ اور معنی میں یا صرف معنی میں دوسرے راوی موافقت اور مشارکت کریں بشرطیکہ صحابی مختلف ہو (اسے شاھد کہتے ہیں)

۲۔ **تابع اور شاہد اعتبار کی قسمیں نہیں**: بسا اوقات کوئی شخص وہم کر سکتا ہے کہ اعتبار تابع اور شاھد کی قسیم ہے' لیکن معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اعتبار تابع اور شاہد تک پہنچنے کی کیفیت اور حالت کو کہتے ہیں۔ یعنی تابع اور شاہد کے متعلق بحث اور تحقیق و تفتیش کا طریقہ' اعتبار ہے۔

۳۔ **تابع اور شاہد کے لیے ایک اور اصطلاح**: تابع اور شاہد کی گذشتہ تعریف اکثر علما کی اور مشہور تعریف ہے ان کی کچھ اور تعریفیں بھی کی گئی ہیں' جو یہ ہیں

ا۔ **تابع**: یہ کہ غریب حدیث کے راویوں کو جب لفظی مشارکت حاصل ہو خواہ صحابی ایک ہو یا مختلف۔

ب۔ **شاھد**: غریب حدیث کے راویوں کو معنوی مشارکت حاصل ہو خواہ صحابی ایک ہو یا مختلف ہوں۔ بسا اوقات ان میں سے ایک کا دوسری پر اطلاق کرتے ہیں اس طرح شاھد کا اطلاق تابع پر اور تابع کا اطلاق شاھد پر کیا جاتا ہے اور معاملہ وسیع اور سھل ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں' کیونکہ ان دونوں سے مقصود ایک ہی بات ہے کہ حدیث کی دوسری روایات پر اطلاع پا کر اور خبر دے کر اسے قوت پہنچانا ہے۔ (شرح نخبہ ص ۳۸)

۴۔ **متابعت**:

لغوی تعریف: تابع جو وافق کے معنی میں ہے' اس کا مصدر ہے۔ متابعت سے مُراد موافقت ہے۔

اصطلاحی تعریف: روایت حدیث میں کوئی اور اس کی (راوی کی) مشارکت و موافقت کرے۔

اقسام: متابعت کی دو انواع ہیں۔ ا۔ تامہ ۲۔ قاصرہ

ا۔ متابعت تامہ: جب راوی کو موافقت و مشارکت آغاز سند سے ہو۔

۲۔ متابعت قاصرہ: جب راوی کو مشارکت درمیان سند سے حاصل ہو۔

۵۔ **مثالیں**: ایک مثال بیان کرتا ہوں جو حافظ ابن حجر نے بیان کی ہے جس میں

متابعت تامہ اور قاصرہ اور شاہد موجود ہے' وہ یہ ہے

وہ حدیث جسے امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں ذکر کیا ہے ((عن مالك عن عبدالله بن دینار عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قَالَ اَلشَّهُر تِسْعٌ وَ عِشْرُوْنَ فَلاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلاَلَ وَلاَ تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُم فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ.)) (شرح نخبة ص ۳۷)

اس حدیث کے متعلق ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اسے بیان کرنے میں امام شافعی متفرد ہیں۔ انہوں نے اسے غرائب شافعی میں شمار کیا ہے کیونکہ امام مالک کے دوسرے شاگردوں نے یہ حدیث اس سند سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔ "فان غم علیکم فاقدروا له" لیکن اعتبار (بحث و تفتیش) کے بعد ہم نے امام شافعی کے لیے متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ اور ایک شاہد پایا ہے۔

ا۔ **متابعت تامہ** : جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ عن عبدالله بن مسلمة القعنبی عن مالك اپنی سند سے' اس میں ہے ((فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ.))

ب۔ **متابعت قاصرہ** : جسے ابن خزیمہ نے عاصم بن محمد کے طریق سے بیان کیا ہے عاصم بن محمد عن ابیه محمد بن زید عن جده عبدالله بن عمر اس لفظ سے ((فَكَمِّلُوْا ثَلاَثِيْنَ.))

ج۔ **شاہد** : جسے امام نسائی نے محمد بن حنین سے' انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا' اور اس میں ((فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ.))

دوسرا باب

راوی پر جرح وتعدیل اور اسکی صفات کا بیان

پہلی بحث : راوی اور اس کے مقبول ہونے کی شرائط

دوسری بحث : جرح وتعدیل کی کتابوں سے متعلق عام خاکہ۔

تیسری بحث : جرح وتعدیل کے مراتب۔

پہلی بحث

راوی اور اس کے مقبول ہونے کی شرائط

۱۔ تمہید :

حدیث چونکہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہو کر ہم تک راویوں کے واسطے سے پہنچتی ہے اس لیے حدیث کی صحت اور عدم صحت کی پہچان کے لیے سب سے پہلا نشانہ اور ہدف یہی راوی ہوتے ہیں اسی لیے علماے حدیث نے راویوں کے بارے میں اہتمام کیا اور ان کی روایات قبول کرنے کے لیے ایسی دقیق اور پختہ شرطیں مقرر کی ہیں جو ان کی دور اندیشی اور ان کی سوچ کے درست ہونے کی دلیل ہیں اور ان کے طریقے اور اسلوب کی عمدگی پر دال ہیں۔

وہ شرطیں جو انھوں نے راوی میں لگائی ہیں یا وہ شرطیں جو انھوں نے حدیث اور اخبار کے قبول کرنے کے لیے مقرر کی ہیں ان تک کوئی امت بھی نہ پہنچ سکی حتی کہ اس زمانے کے لوگ بھی جسے لوگ باریک بینی کا زمانہ کہتے ہیں' انھوں نے بھی اخبار و واقعات کے ناقلین میں ان شروط کا التزام نہیں کیا جو علماے اصول حدیث نے راوی میں شروط مقرر کی ہیں بلکہ اس سے کم بھی نہیں' پس بہت سی ایسی خبریں جنہیں سرکاری خبر رساں

ایجنسیاں نقل کرتی ہیں اور ان کی اشاعت کرتی ہیں لیکن ان کی توثیق نہیں کی جاتی اور نہ ان کی سچائی کی طرف میلان ہوتا ہے' یہ اس لیے ہے کہ ان کے راوی مجہول ہوتے ہیں خبروں کی آفت اور ان کا فساد پذیر ہونا اور ردی قرار پانا ان کے راویوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اکثر طور پر تھوڑے ہی عرصے بعد ان خبروں کی عدم صحت اور ضعف کا اظہار ہو جاتا ہے۔

۲۔ راوی کو قبول کرنے کی شرطیں :

حدیث اور فقہ کے جمہور علما کا اتفاق ہے کہ راوی میں جو شرطیں لگائی جاتی ہیں وہ بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں

ا۔ عدالت : اس سے مُراد یہ ہے کہ راوی مسلمان ہو' بالغ ہو' عاقل ہو' فسق کے اسباب سے سلامت ہو اور انسانیت کش عادتوں سے سلامت ہو۔

ب۔ ضبط : اس سے وہ یہ مُراد لیتے ہیں کہ راوی ثقات کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ نہ برے حافظے والا ہو۔ زیادہ غلطیاں کرنے والا نہ ہو اور غفلت برتنے والا نہ ہو اور زیادہ وہم کرنے والا نہ ہو۔

۳۔ عدالت کس طرح ثابت ہوتی ہے :

عدالت دو اُمور میں سے ایک کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

ا عدالت بیان کرنے والے اس پر نص بیان کریں اور اس کی صراحت کریں یعنی تمام علمائے تعدیل یا ان میں سے ایک اس کی صراحت کرے۔

ب مشہور اور منظر عام پر آنے کی وجہ سے۔ اس طرح کہ اھل عِلم کے ہاں اس کی عدالت مشہور ہو اور اس کی تعریف اور ثنا عام ہو کہ اس کے بعد نص کی ضرورت باقی نہ رہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے مشہور ائمہ حدیث ہیں ائمہ اربعہ ہیں۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور اوزاعی وغیرہ ہیں۔

۴۔ عدالت کے ثبوت میں ابن عبدالبر کا مذھب :

ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ ہر شخص جو حامل عِلم ہے اور اس کے اہتمام کرنے میں

معروف ہے' اس کا معاملہ عدالت پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ اس میں جرح واضح ہو جائے' اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

''کہ اس علم کو ہر آئندہ جماعت سے اس کے عادل لوگ لیں گے جو اس سے (حد سے) بڑھنے والوں کی تحریف اور باطلوں کے جھوٹ باندھنے اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے''۔ (رواہ ابن عدی فی الکامل)

اس کا یہ قول علما کے نزدیک ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے اور اسے صحیح مان بھی لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ چاہیے کہ اس علم کو آئندہ جماعت سے عادل لوگ لیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے ایسے حامل علم موجود ہیں جو عادل نہیں ہیں۔

۵۔ راوی کا ضبط کیسے پہچانا جاتا ہے؟

راوی کے ضبط کی پہچان روایت میں اس کی ثقہ متقن راویوں سے موافقت کرنے پر موقوف ہے۔ پس اگر وہ روایت میں اکثر ان کی موافقت کرتا ہے تو وہ ضابط ہے' ہاں نادر اور قلیل مخالفت کوئی نقصان نہیں دیتی لیکن اگر مخالفت زیادہ ہو جائے تو اس کا ضبط خلل پذیر شمار ہو گا اور اس کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جائے گی۔

۶۔ کیا سبب بیان کیے بغیر جرح و تعدیل قبول کی جائے گی؟

ا صحیح اور مشہور قول کے مطابق تعدیل کو اس کا سبب بیان کیے بغیر بھی قبول کیا جائے گا کیونکہ اس کے اسباب بہت زیادہ ہیں جنہیں شمار کرنا مشکل ہے کیونکہ عدالت بیان کرنے والا اس چیز کا محتاج ہے کہ وہ یہ کہے۔ جیسے اس نے یہ کام (برائی) نہیں کیا۔ فلاں چیز (معصیت) کا ارتکاب نہیں کیا۔ یا یہ کہے کہ وہ یہ کام (نیکی) کرتا ہے اور فلاں چیز (اطاعت و عبادت) کرتا ہے اور اس طرح کرتا ہے وغیرہ۔

ب باقی جرح وہی قبول ہو گی جو مفسر اور واضح ہو' کیوں کہ اس کے اسباب کا بیان مشکل نہیں اور اس لیے بھی کہ جرح کے اسباب میں لوگوں کا اختلاف ہے' بسا اوقات ایک ایسے سبب کی وجہ سے جرح بیان کرتا ہے جو حقیقتاً جرح نہیں ہوتی۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں' یہ باب فقہ اور اصول فقہ میں ثابت اور واضح ہے۔ خطیب الحافظ نے ذکر کیا ہے کہ یہی حفاظ اور ناقدین حدیث کا مذہب ہے جیسے بخاری اور مسلم وغیرہ ہیں' اسی لیے بخاری نے راویوں کی ایک جماعت سے حجت لی ہے جن پر اوروں نے جرح کی ہے جیسے عکرمہ اور عمرو بن مرزوق ہیں اور امام مسلم نے بھی سوید بن سعید اور ایک ایسی جماعت سے حجت لی ہے جن میں طعن اور جرح مشہور ہے' ایسے ہی ابوداؤد نے کیا ہے۔ یہ بات اسی چیز پر دلالت کرتی ہے کہ جرح صرف اس وقت قبول ہو گی جب اس کے سبب کی وضاحت کی گئی ہو۔ (علوم الحدیث ص ۹۶)

۷۔ ایک ہی آدمی کی جرح اور تعدیل قبول اور ثابت ہو گی؟

ا صحیح قول یہ ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے جرح اور تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔

ب بعض کے نزدیک دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے۔

۸۔ ایک راوی میں جرح و تعدیل دونوں کا جمع ہونا :

جب ایک راوی میں جرح و تعدیل جمع ہو جائیں تو

ا معتمد اور معتبر قول کے مطابق جرح کو مقدم رکھا جائے گا بشرطیکہ وہ مفسر اور مبین ہو۔

ب بعض کے نزدیک اگر عدالت بیان کرنے والوں کی تعداد جارحین سے زیادہ ہو تو تعدیل مقدم سمجھی جائے گی۔
یہ قول ضعیف اور غیر معتبر ہے۔

۹۔ ایک شخص سے عادل کی روایت کا حکم :

ا جب عادل ایک شخص سے روایت کرتا ہے تو اکثر محدثین کے ہاں اسے اس شخص کی تعدیل اور عادل کہنا نہیں سمجھا جائے گا' یہی صحیح بات ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک وہ تعدیل سمجھی جائے گی۔

ب عالم کا عمل اور اس کا فتویٰ کسی حدیث کے موافق ہو جائے تو وہ اس کے صحیح ہونے کو ظاہر نہیں کرتا اور نہ عالم کا کسی حدیث کی مخالفت کرنا اس کی صحت میں

طعن کا سبب بن سکتا ہے اور نہ اس کی روایت میں بعض کے نزدیک وہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اور آمدی وغیرہ اصولیوں نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس مسئلے میں بہت طویل بحث اور کلام کی ہے۔

۱۰۔ فسق سے توبہ کرنے والے کی روایت کا حکم :

ا فسق سے تائب کی روایت قبول کی جائے گی۔

ب حدیث رسول ﷺ میں جھوٹ بولنے اور غلط بیانی سے توبہ کرنے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۱۔ جو حدیث بیان کرنے پر اُجرت لیتا ہے' اس کی روایت کا حکم :

ا بعض کے نزدیک اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی مثلاً امام احمد' اسحاق اور ابو حاتم ہیں۔

ب بعض کے نزدیک قبول کی جائے گی جیسے ابو نعیم فضل بن دکین ہیں۔

ج ابو اسحاق شیرازی کا فتویٰ ہے کہ جس کے لئے حدیث بیان کرنے کی وجہ سے اہل وعیال کے لیے روزی کمانا ناممکن ہو اس کے لیے اُجرت لینا جائز ہے۔

۱۲۔ جو راوی تساہل و غفلت یا لقمہ لینے یا زیادہ بھول اور سہو میں مشہور ہو اس کی روایت کا حکم :

ا جو راوی سماع حدیث یا حدیث سنانے میں تساہل اور غفلت میں مشہور ہو' اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جیسے ایک شخص سماع کرنے کے وقت میں سونے کی پروا نہیں کرتا (یعنی سویا رہتا ہے) یا ایسی اصل بیان کرتا ہے جو تصحیح شدہ نہیں۔

ب جو حدیث میں لقمہ لینے میں مشہور ہو' اس کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی' اس طرح کہ اسے ایک چیز کا لقمہ دیا جاتا ہے تو یہ جانے بغیر کہ وہ اس کی حدیث میں ہے بھی کہ نہیں' بیان کرتا پھرے۔

ج جو روایت کرنے میں کثرت سہو اور بھول جانے میں معروف ہو' اس کی روایت

بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۳۔ جو حدیث بیان کرتا ہے وہ بھول جاتا ہے' اس کی روایت کا حکم :

(ا) من حدث و نسی کی تعریف : شاگرد اپنے استاد سے جو روایت بیان کرتا ہے استاد اسے یاد نہ رکھتا ہو یعنی بھول چکا ہو۔

(ب) اس کا حکم :

۱۔ **مَردود اور غیر مقبول ہے :** اگر استاد بالجزم نفی کرے یعنی اس طرح کہے کہ میں نے اسے بیان نہیں کیا یا وہ مجھ پر جھوٹ بولتا ہے وغیرہ۔

۲۔ **مقبول ہے :** اگر استاد نفی کرنے میں متردد ہو گویا اس طرح کہے کہ میں نہیں جانتا یا مجھے یاد نہیں آ رہا وغیرہ۔

(ج) حدیث کے مَردود ہونے کو کسی ایک میں ضعف اور طعن کا سبب شمار کیا جائے گا : حدیث کے رد کرنے کو کسی ایک میں بھی ضعف کا سبب شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی نسبت طعن کے زیادہ لائق نہیں ہے۔

(د) مثال : وہ حدیث جسے امام ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے وہ سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے باپ (ابو صالح) سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ قسم لے کر فیصلہ کیا۔

عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کہتے ہیں مجھے یہ حدیث ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے سہیل سے بیان کی' پھر میں سہیل سے ملا تو اس سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو اس نے نہ جانا۔ میں نے کہا مجھے آپ سے ربیعہ نے اس طرح بیان کیا ہے تو اس کے بعد سہیل یوں کہتا تھا کہ مجھے عبدالعزیز نے ربیعہ سے بیان کیا جو وہ مجھ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث اس طرح بیان کی۔

(ھ) مشہور ترین تصانیف :

"اخبار من حدث و نسی" خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

دوسری بحث

جرح وتعدیل کی کتب سے متعلق عام رائے

چونکہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگانا چند اُمور پر مشتمل ہے جن میں راویوں کی عدالت اور ان کا ضبط یا ان کی عدالت اور ضبط میں طعن اور جرح ہے اس لیے علما ایسی کتابیں لکھنے پر کمربستہ ہوئے جن میں عدالت اور توثیق بیان کرنے والے ائمہ سے راویوں کی عدالت اور ضبط منقول ہوئی ہے اور اس کا نام تعدیل رکھا گیا ہے' ایسے ہی ان کتابوں میں عیوب کا بھی ذکر ہے جو بعض راویوں کی عدالت اور ان کے ضبط و حفظ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو کہ غیر متعصب علما سے منقول ہے اور اسی کا نام جرح ہے' اسی وجہ سے ان کتابوں پر کتب الجرح والتعدیل کا اطلاق کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں بہت زیادہ ہیں اور مختلف انواع کی ہیں۔ بعض صرف ثقہ راویوں کے بیان کے لیے مختص اور منفرد ہیں اور بعض صرف ضعیف اور مجروح رواۃ کے بیان کے لیے مختص ہیں اور بعض ضعیف اور ثقات دونوں قسم کے رواۃ کے لیے ہیں۔ دوسرے پہلو سے ان کتابوں میں سے بعض حدیث کے راویوں کے ذکر کرنے میں عام ہیں قطع نظر اس بات کے کہ وہ کتب احادیث میں سے کسی خاص کتاب کے راویوں سے متعلق ہوں یا خاص کتابوں کے راویوں سے متعلق نہ ہوں اور بعض کسی خاص کتاب کے راویوں کے حالات یا چند معین کتب احادیث کے راویوں سے متعلق ہیں۔

ان کتب کی تصنیف میں جرح اور تعدیل کے علما کا عمل بڑا عمدہ' اہم اور ٹھوس عمل شمار کیا جاتا ہے جب کہ اولاً انہوں نے جرح و تعدیل کے لحاظ سے حدیث کے تمام راویوں کے حالات کا دقیق سروے کیا' پھر کن لوگوں (تلامذہ) نے ان سے احادیث اخذ کیں؟ اور کن شیوخ سے اخذ کی ہیں' ان کا بیان کیا ہے اور انہوں نے کہاں رحلت اور سفر کیا اور ان کی بعض شیوخ سے کب ملاقات ہوئی' اس کا بیان ہے حتیٰ کہ ان کے زمانے کی حد

مقرر کی جس میں وہ زندگی بسر کرتے رہے اور یہ سب کچھ ایسی شکل میں بیان کیا کہ اس سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا۔ بلکہ آج کی ترقی یافتہ قومیں بھی اس کے قریب تک نہیں پہنچ سکیں جو کہ علمائے حدیث نے رجال حدیث اور رواۃ حدیث کے حالات سے متعلق بڑی ضخیم کتب وضع کیں اور ان کے کامل حالات اور تعارف کو لمبا عرصہ اور ایام گذرنے کے باوجود محفوظ رکھا۔ اللہ انہیں ہماری طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے' ان میں سے بعض کتابوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں :

۱ "التاریخ الکبیر" یہ امام بخاری کی تصنیف ہے۔ یہ ثقات اور ضعیف رواۃ کے لیے عام ہے۔

۲ " الجرح والتعدیل " ابن ابی حاتم کی تصنیف ہے۔ یہ بھی ثقات اور ضعیف راویوں کے لیے عام ہے اور مذکورہ کتاب کے مشابہ ہے۔

۳ " الثقات " یہ ابن حبان کی کتاب ہے جو ثقات سے خاص ہے۔

۴ " الکامل فی الضعفاء " یہ ابن عدی کی تصنیف ہے۔ یہ ضعیف راویوں کے حالات سے خاص ہے۔

۵ " الکمال فی اسماء الرجال " یہ عبدالغنی مقدسی کی تصنیف ہے۔ یہ عام کتاب ہے لیکن کتب صحاح ستہ کے راویوں کے اعتبار سے خاص ہے۔

۶ " میزان الاعتدال " یہ امام ذہبی کی تصنیف ہے۔ یہ ضعیف اور متروک راویوں سے خاص ہے یعنی ہر وہ راوی جس پر جرح کی گئی ہے اگرچہ اس میں جرح مقبول نہ ہو۔

۷ " تقریب التہذیب " یہ ابن حجر کی تصنیف ہے۔ تہذیبات و مختصرات میں الکمال فی اسماء الرجال کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

ا پہلے تین مرتبوں والے راویوں سے حجت پکڑی جاتی ہے اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ قوی ہیں۔

ب چوتھے اور پانچویں مرتبے والے راویوں سے حجت نہیں پکڑی جائے گی ہاں ان کی حدیث لکھی جائے گی اور انہیں جانچا جائے گا۔ (یعنی ضابط اور ثقات راویوں کی روایات پر انہیں پیش کیا جائے گا اگر موافق ہوں گی تو قبول ورنہ قبول نہیں ہوں گی) پانچویں مرتبے والے چوتھے مرتبے والے راویوں سے کم درجہ ہیں۔

ج چھٹے مرتبے والوں سے حجت نہیں لی جائے گی ہاں ان کی احادیث صرف اعتبار کے لیے لکھی جائیں گی جانچ پڑتال کے لیے نہیں کیونکہ ان کا عدم ضبط ظاہر ہے۔

۳۔ جرح کے مراتب اور ان کے الفاظ :

ا جو راوی کے لین ہونے پر دلالت کرے (یہ سب سے آسان اور کم ترین جرح ہے) جیسے فلاں لین الحدیث یا فیہ کلام۔

ب پھر جس سے حجت نہ لینے کی صراحت ہو یا اس کے مشابہ لفظ ہوں جیسے فلان لا یحتج بہ یا ضعیف یا لہ مناکیر

ج پھر جس کے نہ لکھنے کی صراحت ہو یا اس جیسے لفظ ہوں جیسے فلاں کی حدیث لکھی نہیں جاتی یا اس سے روایت کرنا جائز نہیں یا وہ انتہائی ضعیف ہے یا وہ بالکل ہی ضعیف ہے۔

د جس میں جھوٹ کی تہمت ہو یا اس جیسے لفظ ہوں جیسے فلاں پر جھوٹ کی تہمت ہے یا فلاں پر حدیثیں بنانے اور وضع کرنے کی تہمت ہے یا وہ حدیث چوری کرتا ہے یا وہ ساقط ہے یا وہ چھوڑا گیا ہے یا وہ ثقہ نہیں ہے۔

ھ وہ الفاظ جو راوی کے جھوٹا ہونے پر دلالت کریں مثلاً وہ جھوٹا ہے یا دجال ہے یا وہ کثرت سے حدیث وضع کرتا ہے یا وہ جھوٹ بولتا ہے۔

و جو جھوٹ میں مبالغے پر دلالت کرے مثلاً فلاں سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اس پر جھوٹ بولنے میں بس ہے یا وہ جھوٹ کا رکن اور اس کی کان ہے۔

۴۔ ان مراتب کا حکم :

ا پہلے تین مرتبوں والے راویوں سے حجت پکڑی جاتی ہے اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ قوی ہیں۔

ب چوتھے اور پانچویں مرتبے والے راویوں سے حجت نہیں پکڑی جائے گی ہاں ان کی حدیث لکھی جائے گی اور انہیں جانچا جائے گا۔ (یعنی ضابط اور ثقات راویوں کی روایات پر انہیں پیش کیا جائے گا اگر موافق ہوں گی تو قبول ورنہ قبول نہیں ہوں گی) پانچویں مرتبے والے چوتھے مرتبے والے راویوں سے کم درجہ ہیں۔

ج چھٹے مرتبے والوں سے حجت نہیں لی جائے گی ہاں ان کی احادیث صرف اعتبار کے لیے لکھی جائیں گی جانچ پڑتال کے لیے نہیں کیونکہ ان کا عدم ضبط ظاہر ہے۔

۳۔ جرح کے مراتب اور ان کے الفاظ :

ا جو راوی کے لین ہونے پر دلالت کرے (یہ سب سے آسان اور کم ترین جرح ہے) جیسے فلاں لین الحدیث یا فیہ کلام۔

ب پھر جس سے حجت نہ لینے کی صراحت ہو یا اس کے مشابہ لفظ ہوں جیسے فلان لا یحتج بہ یا ضعیف یا لہ مناکیر

ج پھر جس کے نہ لکھنے کی صراحت ہو یا اس جیسے لفظ ہوں جیسے فلاں کی حدیث لکھی نہیں جاتی یا اس سے روایت کرنا جائز نہیں یا وہ انتہائی ضعیف ہے یا وہ بالکل ہی ضعیف ہے۔

د جس میں جھوٹ کی تہمت ہو یا اس جیسے لفظ ہوں جیسے فلاں پر جھوٹ کی تہمت ہے یا فلاں پر حدیثیں بنانے اور وضع کرنے کی تہمت ہے یا وہ حدیث چوری کرتا ہے یا وہ ساقط ہے یا وہ چھوڑا گیا ہے یا وہ ثقہ نہیں ہے۔

ھ وہ الفاظ جو راوی کے جھوٹا ہونے پر دلالت کریں مثلاً وہ جھوٹا ہے یا دجال ہے یا وہ کثرت سے حدیث وضع کرتا ہے یا وہ جھوٹ بولتا ہے۔

و جو جھوٹ میں مبالغے پر دلالت کرے مثلاً فلاں سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اس پر جھوٹ بولنے میں بس ہے یا وہ جھوٹ کا رکن اور اس کی کان ہے۔

۴۔ ان مراتب کا حکم :

ا پہلے دو مرتبوں والوں سے حجت نہیں پکڑی جائے گی لیکن ان کی حدیث صرف اعتبار کے طور پر لکھی جائے گی اگرچہ دوسرے مرتبے والے کم درجہ کے ہیں پہلے مرتبہ والوں سے۔

ب آخری چار مراتب والوں کی حدیث سے نہ تو حجت پکڑی جائے گی نہ ہی ان کی حدیث لکھی جائے گی اور نہ ہی ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

تیسرا باب

پہلی فصل

ضبط روایت کی کیفیت اور اسکے حصول کے طریقے

پہلی بحث

حدیث کے ضبط کی کیفیت اور حاصل کرنے اور سننے کا طریقہ کار

۱۔ تمہید : سماع حدیث کی کیفیت سے مُراد شیوخ سے روایت کرنے اور اسے حاصل کرنے کی غرض سے حدیث کو سننے والے کے لیے شرط اور مناسب اُمور کا بیان ہے تاکہ اپنے غیر کو وہ حدیث پہنچا سکے جیسے استحبابی یا وجوبی معین عمر کی شرط ہے۔

اور تحمل حدیث سے مُراد حدیث کو شیوخ سے لینے اور حاصل کرنے کے طریقوں کا بیان ہے۔ ضبط حدیث کے بیان سے مُراد یہ ہے کہ طالب کے ضبط کی کیفیت' جو اس نے حدیث حاصل کی ہے ایسا ضبط جو اسے اس کا اھل بناتا ہے کہ وہ اسے دوسروں کے لیے روایت کرے' ایسی شکل سے کہ اسے اطمینان ہو جائے۔ فن اصول حدیث کے علما نے علوم حدیث میں سے اس نوع کا اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط اور شرطیں ایک عمدہ باریک و دقیق شکل میں بنائیں اور مقرر کیں اور حدیث کو لینے کے طریقوں کے درمیان تمیز کی اور انہیں کچھ مراتب میں تقسیم کیا اور ان میں سے بعض بعض سے قوی ہیں۔ یہ ان کی طرف سے حدیث رسول اللہ ﷺ کے اہتمام کے لیے تاکید کے طور پر ہے۔ اور ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقل ہونے کی اچھّائی ہے تاکہ مسلمان

حدیثِ نبوی کے پہنچنے کے طریقے پر مطمئن ہو اور یقین کرے کہ یہ طریقہ انتہائی سلامتی والا اور دقیق طریقہ ہے۔

۲۔ کیا تحمل حدیث کے لیے اسلام اور بلوغت شرط ہے؟

صحیح قول کے مطابق تحمل اور اخذ حدیث کے لیے اسلام اور بلوغت شرط نہیں ہے لیکن ادائیگی کے لیے شرط ہے جیسا کہ راوی میں شروط کے تحت گذرا ہے اسی بنیاد پر مسلمان بالغ کی روایت قبول ہو گی جو اس نے اسلام قبول کرنے سے پہلے حاصل کی تھیں یا بلوغت سے پہلے' لیکن غیر بالغ کے لیے تمیز و فہم ضروری ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث کے حاصل کرنے کے لیے بلوغت شرط ہے' لیکن یہ غلط قول ہے کیونکہ مسلمانوں نے صغار صحابہ کی روایات کو قبول کیا ہے' جیسے حضرت حسن' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں' بغیر فرق کیے کہ جو انہوں نے بلوغت سے پہلے روایت اخذ کی یا بعد میں۔

۳۔ سماع حدیث کی ابتدا کرنا کب مستحب ہے؟

ا کہا گیا ہے سماع حدیث کی ابتدا تیس سال کی عمر میں ہونی چاہیے۔ یہ اہل شام کا قول ہے۔

ب کہا گیا ہے کہ بیس سال کی عمر میں ابتدا کرے' یہ کوفہ والوں کا قول ہے۔

ج کہا گیا ہے کہ دس سال کی عمر میں ابتدا کرے' یہ بصرہ والوں کا قول ہے۔

د اخیر زمانوں میں درست بات یہ ہے کہ وہ سماع حدیث میں جلدی کریں جب کہ ان میں سماع کی اہلیت پیدا ہو جائے کیونکہ حدیثیں کتب میں محفوظ اور منضبط ہو چکی ہیں۔

۴۔ کیا بچے کے سماع کے درست ہونے کے لیے کوئی عمر کی تعیین ہے؟

ا بعض علما نے اس کی پانچ سال حد مقرر کی ہے اور اسی پر محدثین کا عمل ثابت ہے۔

ب بعض کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ تمیز کا اعتبار ہو گا' اب اگر وہ خطاب کو سمجھتا ہے

اور جواب دے سکتا ہے' وہ ممیز کہلائے گا اور سماع درست ہو گا ورنہ نہیں۔

دوسری بحث

تحمل حدیث کے طریقے اور ادائے حدیث کے الفاظ

حدیث کو لینے کے آٹھ طریقے ہیں جو یہ ہیں : شیخ کے الفاظ سے سننا' شیخ پر پڑھنا' اجازت' مناولہ' کتابت' اعلام' وصیت' وجادہ۔

اب بالترتیب ہر ایک پر کلام کرتا ہوں۔ ہر ایک کی ادائیگی کے الفاظ کا بیان بھی ہو گا مگر اختصار کے ساتھ۔

۱۔ شیخ کے الفاظ سے سننا :

ا۔ صورت : استاد پڑھے اور طالب علم سنے۔ خواہ استاذ اپنے حافظے سے بیان کرے یا کتاب سے' ایسے ہی خواہ طالب علم سن لے اور لکھ بھی لے یا صرف سن لے اور لکھے نہیں۔

ب۔ مرتبہ : جمہور علما کے نزدیک تحمل حدیث کے طریقوں میں سے سب سے بلند طریقہ سماع کا ہے۔

ج۔ ادا کے الفاظ : (۱) طرق تحمل میں سے ہر قسم کے لیے مخصوص الفاظ کے عام ہونے سے پہلے شیخ کے الفاظ سے سننے والے کے لیے جائز تھا کہ وہ حدیث آگے سناتے ہوئے یوں کہے۔ سمعت (میں نے سنا) یا حدثنی (اس نے مجھے حدیث بیان کی) یا اخبرنی (اس نے مجھے خبر دی) یا انبانی (اس نے مجھے خبر دی) یا قال لی (اس نے مجھ سے کہا) یا ذکر لی (اس نے مجھے بیان کیا)

(۲) جب ہر قسم کے لیے مخصوص الفاظ عام رواج پا گئے تو پھر ادائیگی کے الفاظ اس ترتیب پر ہو گئے

سماع کے لیے	سمعت یا حدثنی
قرات کے لیے	اخبرنی

اجازت کے لیے انبانی

مذاکرہ کے سماع کے لیے قال لی' ذکرلی

(سماع مذاکرہ اور سماع تحدیث میں فرق ہے کیونکہ سماع تحدیث کے لیے شیخ اور طالب علم مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے تیار ہوتے ہیں جب کہ مذاکرہ میں ایسا نہیں ہوتا)

۲۔ قراۃ علی الشیخ : اکثر محدثین نے اس کا نام عرض رکھا ہے۔

ا۔ صورت : طالب علم پڑھے اور شیخ سنے (اس سے مُراد یہ ہے کہ طالب عِلم وہ احادیث پڑھے جو شیخ کی روایات میں سے ہیں یہ نہیں کہ وہ جو چاہے پڑھے مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیخ سنے اور وہ منضبط اور محفوظ ہو جائیں اور ان کی تصحیح ہو جائے) خواہ طالب خود پڑھے یا کوئی دوسرا پڑھے اور وہ سنے' ایسے ہی خواہ قرات حفظ سے ہو یا کتاب سے دیکھ کر' ایسے ہی خواہ استاذ اپنے حفظ سے قاری کو سنے یا کتاب سامنے رکھ کر۔

ب۔ اس طریقہ سے روایت کرنے کا حکم : شیخ پر قرات کے طریقے سے روایت کرنا صحیح ہے اور مذکورہ صورت میں سے کسی بھی صورت میں کوئی اختلاف اور فرق نہیں سوائے چند متشددین کے کہ جن کا اعتبار نہیں کیا گیا' ان سے اختلاف منقول ہے۔

ج۔ مرتبہ : اس طریقہ کے مرتبہ و منزلت میں تین اقوال پر اختلاف کیا گیا ہے۔

ا۔ سماع کے برابر ہے : امام مالک' بخاری اور حجاز اور کوفہ کے بڑے بڑے علماء کا قول ہے۔

۲۔ سماع سے کم درجہ ہے : جمہور اہل مشرق سے منقول ہے' یہی صحیح قول ہے۔

۳۔ سماع سے بلند مرتبہ ہے : امام ابو حنیفہ' ابن ابی ذئب کے قول اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق۔

د۔ اداء کے الفاظ :

ا۔ احوط : میں نے فلاں پر پڑھا (قرات علی فلان) یا اس پر پڑھا گیا اور میں سن رہا تھا پس

اس نے اقرار کر لیا۔

۲۔ یجوز : سماع کی وہ عبارتیں جو قرات کے لفظ سے مقید ہوں جیسے اس نے حدیث بیان کی کہ اس پر قرات کی گئی ((حَدَّثَنَا قِرَاءَةً عَلَیْهِ.))

۳۔ عام طریقہ جس پر اکثر محدثین ہیں : صرف لفظ اَخْبَرَنَا کا اطلاق کرنا۔

۴۔ اجازت :

ا۔ تعریف : لفظی طور پر یا لکھ کر روایت کرنے کی اجازت دینا۔

ب۔ صورت : استاد اپنے طلباء میں سے کسی سے کہے میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو مجھ سے صحیح بخاری روایت کر سکتا ہے۔

ج۔ اقسام : اجازت کی کئی اقسام ہیں۔ میں ان میں سے پانچ ذکر کرتا ہوں جو یہ ہیں

ا۔ شیخ معین چیز کی کسی معین شخص کو اجازت دے : مثلاً میں تجھے صحیح بخاری کی اجازت دیتا ہوں۔ مناولت سے خالی اجازت کی قسموں سے بلند ترین یہی ہے۔

۲۔ معین شخص کو غیر معین چیز کی اجازت دے : مثلاً میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو مجھ سے سنی ہوئی تمام روایات بیان کر سکتا ہے۔

۳۔ غیر معین شخص کو غیر معین چیز کی اجازت دے : مثلاً میں اپنے زمانے کے لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے سنی ہوئی تمام روایات بیان کر سکتے ہیں۔

۴۔ مجہول چیز کی اجازت دے یا مجہول شخص کو اجازت دے : مثلاً میں تجھے سنن کی کتاب کی اجازت دیتا ہوں جب کہ اس نے سنن کی متعدد تعداد روایت کی ہو یا میں محمد بن خالد دمشقی کو اجازت دیتا ہوں جب کہ اس نام میں ایک جماعت مشترک ہو۔

(۵) معدوم کو اجازت دے : یا تو موجود کی اتباع میں مثلاً میں فلاں کو اجازت دیتا ہوں اور جو اس کی اولاد پیدا ہو گی اسے بھی اجازت دیتا ہوں یا مستقل طور پر معدوم کو اجازت دے مثلاً فلاں کو جو بچہ پیدا ہو گا میں اسے اجازت دیتا ہوں۔

د۔ حکم : پہلی قسم سے متعلق صحیح قول جس پر علماء جمہور ہیں اور اسی پر عمل جاری ہے' وہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے روایت جائز ہے اور اس پر عمل درست ہے جب کہ علماء کی کئی جماعتوں نے اسے باطل بھی قرار دیا ہے اور یہی امام شافعی کی بھی ایک روایت سے منقول ہے۔

باقی اقسام کے جواز میں بہت سخت اور کثیر اختلاف ہے الغرض اس اجازت کے طریق سے روایت لینا اور کرنا مضحکہ خیز اور حقیر ہے جس میں تساھل مناسب ہے۔

ھ۔ اداء کے الفاظ : (۱) اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ یوں کہے اَجَازَلِی فُلَانٌ (مجھے فلاں نے اجازت دی۔)

(۲) سماع اور قرات کی عبارت جو کہ اجازت ساتھ کے مقید ہو' جائز ہے مثلاً حَدَّثَنَا اَجَازَۃُ (اس نے ہمیں حدیث بیان کی اجازت کی صورت میں) یا اَخْبَرَنَا اَجَازَۃُ (اس نے ہمیں خبردی اجازت کی شکل میں)۔

(۳) متاخرین کی اصطلاح : انبانا (اس نے ہمیں خبردی) اسے کتاب الوجازۃ کے مصنف نے منتخب اور پسند کیا ہے۔ (یعنی ابوالعباس الولید بن بکر المعمری جن کی کتاب کا مکمل نام الوجازۃ فی تجویز الاجازۃ ہے)

۴۔ مناولت :

ا۔ انواع : مناولت کی دو انواع ہیں۔

ا۔ مناولت مع اجازت : یہ مطلق طور پر اجازت کی قسموں میں سے بلند ترین اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس کی صورتوں میں سے ایک شکل یہ ہے کہ استاد طالب عِلم کو اپنی کتاب دے اور کہے کہ یہ میری فلاں سے روایت ہے تو اسے بیان کر سکتا ہے وہ طالب عِلم اسے اپنی ملکیت میں رکھے یا نقل کرنے کے لیے عاریتاً رکھے۔

(۲) مُجَرَّدَۃٌ عَنُ الِاجَازَۃِ : اس کی شکل یہ ہے کہ استاد طالب کو اپنی کتاب دے اور اتنا ہی کہنے پر اکتفاء کرے کہ یہ میری روایات ہیں جو میں نے سماع کیا ہے۔

ب۔ حکم : (۱) مَقْرُوْنَۃٌ بِالْاِجَازَۃِ کے ساتھ روایت کرنا جائز ہے۔ یہ سماع اور قرات

علی الشیخ کا سب سے کم ترین مرتبہ ہے۔
(۲) مُجَرَّدَةٌ عَنِ الِاجَازَۃِ ۔ صحیح قول کے مطابق اس طریق سے روایت کرنا درست نہیں۔

ج۔ اداء کے الفاظ :

(۱) احسن : بہتر یہ ہے کہ یوں کہے ناولنی (اس نے مجھے کتاب پکڑائی) یا نَاوَلَنِی وَ اَجَازَلِی (اس نے مجھے کتاب پکڑائی اور اجازت دی جب کہ وہ اجازت کے ساتھ ملی ہو)

(۲) جائز ہے : سماع اور قرات کی مقید عبارتوں کے ساتھ جائز ہے مثلاً حَدَّثَنَا مُنَاوَلَةً (اس نے ہمیں مناولت کی شکل میں بیان کیا) یا حَدَّثَنَا مُنَاوَلَةً وَ اِجَازَۃً (اس نے ہمیں مناولت اور اجازت کی صورت میں بیان کیا۔)

۵۔ کتابت :

ا۔ صورت : اس کی شکل یوں ہے کہ استاد اپنی سنائی گئی روایات کسی موجود یا غائب کو اپنے خط کے ساتھ یا اپنے حکم سے لکھوا کر دے۔

ب۔ قسمیں : اس کی دو قسمیں ہیں :
۱ مَقْرُوْنَةٌ بِالِاجَازَۃِ : مثلاً میں تجھے اس کی اجازت دیتا ہوں جو تیرے لیے لکھی ہیں یا تیری طرف لکھ کر بھیجی ہیں۔
۲ مُجَرَّدَةٌ عَنِ الِاجَازَۃِ : مثلاً اس کی طرف کچھ احادیث لکھ کر بھیجے اور روایت کرنے کی اجازت درج نہ کرے۔

ج۔ روایت کرنے کا حکم :

(۱) مَقْرُوْنَةٌ بِالِاجَازَۃِ : اس طریقے سے روایت کرنا صحیح ہے۔ یہ صحت اور قوت میں مُنَاوَلَةٌ مُقْرُوْنَةٌ بِالِاجَازَۃِ کی طرح ہے۔
(۲) مُجَرَّدَةٌ عَنِ الِاجَازَۃِ : اس طریقے سے روایت کرنے کی ایک گروہ نے نفی کی ہے جب کہ بعض نے اجازت دی ہے۔ محدثین کے نزدیک صحیح قول جواز کا ہے کیونکہ یہ

(اجازت کا شعور دلاتی ہے) اجازت کے معنی میں ہے۔

د۔ کیا خط پر اعتماد کرنے کے لیے کسی دلیل کی شرط لگائی گئی ہے؟

۱ بعض نے خط پر دلیل کی شرط لگائی ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خط خط کے مشابہ ہو سکتا ہے' یہ قول ضعیف ہے۔

۲ بعض نے کہا ہے کہ مکتوب الیہ کا لکھنے والے کے خط کی معرفت رکھنا ہی کافی ہے کیونکہ ایک آدمی کا خط دوسرے کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔ یہی قول صحیح ہے۔

ھ۔ اداء کے الفاظ :

۱ لفظ کتابت کی تصریح ہو مثلاً کتب الی فلان (فلاں نے میری طرف لکھا)

۲ سماع اور قرات کے الفاظ مقید طور پر آئیں جیسے حدثنی فلان یا اخبرنی کتابة (فلاں نے مجھے لکھ کر بیان کیا یا خبر دی)

۶۔ اعلام :

ا۔ صورت : اس کی شکل یہ ہے کہ استاد شاگرد کو خبر دے کہ یہ حدیث یا یہ کتاب میرا سماع ہے۔

ب۔ روایت کا حکم : اعلام کے طریق پر روایت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے دو قول ہیں۔

(۱) جواز کا : بہت سے محدثین' اصولیوں اور فقہاء کا قول ہے۔

(۲) عدم جواز کا : کئی ایک محدثین وغیرہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ بسا اوقات استاد خبر دیتا ہے کہ یہ حدیث میری روایت ہے لیکن اسے بیان کرنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس میں خلل اور خرابی ہوتی ہے ہاں اگر روایت کی اجازت دے تو درست ہے۔

ج۔ اداء کے الفاظ : آگے اداء کرتے اور بیان کرتے ہوئے یوں کہے اعلمنی شیخی بکذا (میرے شیخ نے مجھے فلاں چیز معلوم کرائی)

۷۔ وصیت :

ا۔ صورت : اس کی شکل یہ ہے کہ شیخ اپنی موت یا سفر کے وقت کسی شخص کو اپنی کسی ایک کتاب کے ساتھ وصیت کرے جسے وہ روایت کرتا ہے۔

ب۔ روایت کا حکم : اس میں دو قول ہیں

(۱) جواز کا : بعض سلف کا قول ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ اس نے کتاب کی وصیت کی ہے (یعنی لینے کی یا محفوظ کرنے کی) روایت کرنے کی وصیت نہیں کی۔

(۲) عدم جواز کا : یہی درست قول ہے۔

ج۔ اداء کے الفاظ : یوں کہے اَوْصٰی اِلَیَّ فُلَانٌ بِکَذَا (فلاں نے مجھے اس کی وصیت کی) یا حَدَّثَنِی فُلَانٌ وَصِیَّةً (فلاں نے مجھے وصیت کرتے ہوئے بیان کیا)

۸۔ وجادت :

واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا ہے اور وَجَدَ سے مصدر ہے یہ ایسا مصدر ہے جو عرب سے سنا نہیں گیا۔

ا۔ صورت : اس کی شکل یہ ہے کہ شاگرد کچھ احادیث اپنے استاد کے خط سے لکھی ہوئی پائے جنہیں وہ بیان کرتا تھا۔ شاگرد انہیں پہچان لے' نہ تو اس نے اس سے سماع کیا ہے اور نہ اجازت ہے۔

ب۔ روایت کا حکم : وجادت کے طریق سے روایت کرنا منقطع کی صورت ہے لیکن اس میں اتصال کی نوع بھی موجود ہے (احتمال ہوتا ہے)

ج۔ اداء کے الفاظ : یوں کہے : وَجَدْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ اَوْ قَرَأْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ کَذَا (میں نے فلاں کے خط سے فلاں روایات پائیں یا اس کے خط میں پڑھا) پھر سند اور متن بیان کر دیتا ہے۔

تیسری بحث

حدیث کی کتابت' ضبط اور اس میں تصنیف کا بیان

۱۔ کتابت حدیث کا حکم :

سلف صحابہ اور تابعین نے کتابت حدیث کے متعلق کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے۔

ا۔ مکروہ : بعض نے اسے مکروہ اور نا جائز قرار دیا ہے جن میں سے عبداللہ بن عمرو' عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

ب۔ مباح : بعض نے اسے مباح اور جائز قرار دیا ہے جن میں سے عبداللہ بن عمرو انس' اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

ج۔ جواز پر اتفاق : پھر اس کے بعد علماء کا کتابت حدیث کے جواز پر اجماع ہو گیا اور اختلاف ختم ہو گیا اور اگر حدیث کتابوں میں مدون نہ کی جاتی' تو اخیر زمانوں میں ضائع ہو جاتی خاص کر ہمارے زمانہ میں۔

۲۔ کتابت حدیث کے حکم میں اختلاف کا سبب :

کتابت حدیث کے بارے میں سبب اختلاف نہی اور اباحت کی احادیث کا متعارض ہونا ہے۔

ا۔ نہی کی حدیث : جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے۔

ب۔ اباحت کی حدیث : جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو شاہ کو لکھ دو۔ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جس میں عبداللہ بن عمرو کو اجازت دی گئی ہے۔

۳۔ اباحت اور نہی کی احادیث میں جمع و تطبیق :

علماء نے اباحت اور نہی کی احادیث کو مختلف طریقوں سے جمع کیا ہے اور ان کے درمیان تطبیق ڈالی ہے۔

ا۔ **بعض کے نزدیک :** لکھنے کی اجازت اس کے لیے تھی جسے حدیث بھولنے کا خوف تھا اور منع اسے تھا جو بھولنے سے محفوظ تھا جب کہ لکھنے کی صورت میں خط پر اعتماد کا خوف تھا۔

ب۔ **بعض کے نزدیک :** نہی اس وقت تھی جب کہ حدیث اور قرآن کے التباس اور اختلاط کا ڈر اور خوف تھا۔ پھر جب اس سے امن حاصل ہوا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی گویا کہ نہی منسوخ ہو گئی۔

۴۔ حدیث کے لکھنے والے پر کیا ضروری ہے؟

حدیث کے لکھنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی ہِمّت اور استطاعت کو---- التباس اور اختلاط سے محفوظ ہوتے ہوئے---- حدیث کے ضبط اور شکل اور نقطوں کی صورت میں اس کی تحقیق میں خرچ کر دے اور مشکل الفاظ پر اعراب لگائے خاص کر مشہور ناموں پر کیوں کہ وہ سیاق و سباق سے نہیں سمجھے جا سکتے۔ اور اس کا خط مشہور قواعد کے تحت واضح ہونا چاہیے۔ اور اپنی ایسی کوئی خاص اصطلاح کا استعمال نہ کرے کہ لوگ اس کا اشارہ نہ سمجھ سکیں۔ اور اسے چاہیے کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر آئے صلوٰۃ و تسلیم لکھنا نہ بھولے اور نہ اس کے تکرار سے اکتائے۔ اور نہ اصل میں موجود کے ساتھ کوئی قید وغیرہ لگائے اگرچہ وہ ناقص ہو۔ ایسے ہی اللہ پر ثنا اور تعریف کے کلمات لکھنا نہ بھولے مثلاً عزو جل ہے۔ ایسے صحابہ پر رضی اللہ عنہم اور دیگر علماء پر رحمہ اللہ جیسے کلمات بھی لکھے اور ان کی طرف صرف ’’ص‘‘ یا ؐ یا صلعم کے ساتھ اشارہ کرنا درست نہیں بلکہ انہیں مکمل صورت میں لکھے۔

۵۔ مقابلہ اور اس کی کیفیت :

حدیث کے لکھنے والے پر ضروری ہے کہ کتابت حدیث سے فراغت پر اپنی کتابت کا استاذ کی اصل سے مقابلہ و موازنہ کرے اگرچہ اس سے بطریق اجازہ ہی اخذ کی ہو۔

مقابلے کی کیفیت یہ ہو کہ یہ اور اس کا استاذ سماع و تسمیع کے وقت اپنی اپنی کتابوں کو سامنے رکھیں بلکہ کسی اور ثقہ کا مقابلہ کرنا بھی درست ہے خواہ قرات کے وقت ہو یا کسی اور وقت میں۔ ایسے ہی اس فرع سے مقابلہ کرنا بھی درست ہے جس کا شیخ کی اصل سے مقابلہ ہو چکا ہے۔

۶۔ اداء وغیرہ کے الفاظ کی کتابت سے متعلق اصطلاحات :

اکثر اور غالب طور پر حدیث کے لکھنے والے اداء کے الفاظ میں اشارے پر اکتفاء کرتے ہیں' وہ یہ لکھتے ہیں :

ا حدثنا کو "ثنا" یا "نا" لکھتے ہیں

ب اخبرنا کو "انا" یا "ارنا" لکھتے ہیں

ج تحویل سند کے وقت یوں اشارہ کرتے ہیں ح اور پڑھنے والا حا پڑھتا ہے۔

د سند کے راویوں کے درمیان میں قال وغیرہ جیسے کلمات کے حذف کرنے کی عادت جاری ہو چکی ہے مقصد اختصار ہوتا ہے لیکن پڑھنے والے کو لفظ بولنا چاہیے مثلاً حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالك ہے۔ قاری کو چاہیے کہ وہ یوں پڑھے قال اخبرنا مالك۔ ایسے اختصار کی غرض سے انہ' کے حذف کو بھی معمول بنالیا گیا ہے مثلاً عن ابی ھریرۃ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قال تو پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ انہ بولے اور یوں کہے عن ابی ھریرۃ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ انہ قال تاکہ اعراب کے اعتبار سے کلام درست اور صحیح ہوتی جائے۔

۷۔ طلب حدیث کے لیے رحلت اور سفر کرنا :

ہمارے علمائے سلف نے حدیث کی حفاظت کا ایسا اہتمام کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے حدیث کے جمع کرنے اور اس کے ضبط کے اہتمام میں وہ محنت و مشقت اور وقت خرچ کیا ہے جسے عقل بھی تسلیم نہیں کرتی۔ وہ جب اپنے شہر کے شیوخ کی احادیث جمع کر لیتے تو دوسرے شہروں اور علاقوں کی طرف سفر کرتے خواہ وہ دور تھے یا نزدیک۔ مقصد وہاں کے شیوخ سے حدیث کا حصول ہوتا تھا اور خوشدلی سے سفر کی کلفتیں اور زندگی کی مشکلات و مصائب برداشت کرتے۔ خطیب بغدادی نے ایک کتاب تصنیف

کی ہے جس کا نام "الرحلة فی طلب الحدیث" رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے صحابہ' تابعین اور بعد والے علماء کے طلب حدیث میں سفروں کا ذکر کیا ہے جن پر انسان کو تعجب ہوتا ہے۔ جو ان دلچسپ واقعات کو سننا پسند کرتا ہے' اسے اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ کتاب طالب علموں کو چست کرتی ہے اور ان کی ہمتوں کو اجاگر کرتی ہے اور ان کے ارادوں کو تقویت پہنچاتی ہے۔

۸۔ حدیث سے متعلق تصنیف کی انواع و اقسام :

جو شخص اپنے اندر حدیث وغیرہ دیگر علوم سے متعلق تصنیف کی قدرت و استطاعت پاتا ہے اس پر ضروری ہے کہ وہ تصنیف کا اہتمام کرے۔ اس طرح متفرق کو جمع کرنے' شکل کی وضاحت کرنے' غیر مرتب کو مرتب کرنے اور جن کی فہرست نہیں ان کی فہرست بنانے کے ساتھ تاکہ حدیث کے طلباء پر اس سے آسان طریقے سے اور تھوڑے وقت میں استفادہ کرنا آسان ہو جائے اور اسے اپنی کتاب کو تہذیب و تحریر اور ضبط سے پہلے منظر عام پر لانے سے بچنا چاہیے۔ اس کی تصنیف اس بارے میں ہو جہاں نفع زیادہ اور عام ہو اور فائدہ زیادہ ہو۔

علماے حدیث کی مختلف طریقوں پر تصنیف ہے۔ حدیث میں تصنیف کی مشہور ترین انواع یہ ہیں

ا۔ <u>جوامع</u> : جامع ہر وہ کتاب جس میں اس کا مصنف عقائد' عبادات' معاملات' سیر' مناقب' رقاق' فتن اور قیامت کے دن کے واقعات میں سے تمام ابواب کو جمع کرتا ہے۔ جیسے الجامع الصحیح البخاری ہے۔

ب۔ <u>مسانید</u> : مسند ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات موضوع اور عنوان کی طرف نظر کئے بغیر الگ الگ ایک طریق پر جمع کی گئی ہوں جیسے مسند امام احمد بن حنبل ہے۔

ج۔ <u>سنن</u> : یہ وہ کتابیں ہیں جو فقہ کے ابواب کی ترتیب پر لکھی گئی ہیں تاکہ وہ استنباط احکام میں فقہاء کا مصدر و مرجع بن سکیں اور یہ جوامع سے مختلف اور الگ ہیں

کیونکہ ان سے وہ احادیث اخذ نہیں کی جا سکتیں جو عقائد' سیر اور مناقب وغیرہ سے متعلق ہیں بلکہ یہ فقہ کے ابواب پر اور احکام کی احادیث پر محدود ہوتی ہیں جیسے سنن ابی داؤد ہے۔

د۔ معاجم : معجم ہر وہ کتاب جس میں مولف حدیث کو جمع کرتا ہے جس کی ترتیب اپنے شیوخ کے اسماء پر رکھتا ہے اور ان کی اکثر و غالب ترتیب حروف تہجی کی ترتیب پر ہوتی ہے جیسے طبرانی کی معاجم ثلاثہ یعنی معجم صغیر' اوسط اور کبیر ہیں۔

ھ۔ علل : کتب علل وہ کتابیں ہیں جو معلول احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کی علل کا بیان بھی ہوتا ہے جیسے ابن ابی حاتم کی العلل اور دار قطنی کی العلل ہے۔

و۔ اجزاء : جزء ہر وہ چھوٹی کتاب جس میں ایک راوی کی روایات جمع کی جائیں یا ایک موضوع سے متعلق تمام احادیث جمع کی جائیں تاکہ اس کا احاطہ ہو جائے جیسے امام بخاری کی "جزء رفع الیدین فی الصلوۃ" ہے۔

ز۔ اطراف : ہر وہ کتاب جس میں مولف ہر حدیث کی طرف (ایک حصہ) ذکر کر دیتا ہے جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہے پھر ہر ایک متن کی سند بیان کر دیتا ہے یا تو مکمل استیعاب کے ساتھ یا ایک کتاب سے مقید کر کے جیسے امام مزی کی تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف ہے۔

ح۔ مستدرکات : مستدرک ہر وہ کتاب جس میں اس کا مولف وہ احادیث جمع کرتا ہے جو وہ کسی دوسری کتاب کے مصنف کی شرط پر پاتا ہے اور اس سے رہ گئی ہوتی ہیں۔ جیسے ابو عبداللہ الحاکم کی "المستدرك على الصحيحين" ہے۔

ط۔ مستخرجات : مستخرج ہر وہ کتاب جس میں مولف کسی کتاب کی احادیث کی تخریج کرتا ہے لیکن اپنی سندوں کے ساتھ' اس کے مصنف کی سندوں کو چھوڑ کر۔ اور بسا اوقات یہ اس کے شیخ یا اوپر کسی طبقہ میں اس سے مل جاتا ہے جیسے ابو نعیم اصبہانی کی "المستخرج على الصحيحين" ہے۔

چوتھی بحث

روایت حدیث کی صفت اور کیفیت

۱۔ اس تسمیہ سے مراد :

اس عنوان سے مُراد اس کیفیت کا بیان ہے جس کے ساتھ حدیث روایت کی جاتی ہے اور وہ آداب جن کا اپنانا ضروری ہے اور جو اس سے متعلق باتیں ہیں۔ اس بارے میں کچھ چیزیں سابقہ بحثوں میں گذر چکی ہیں۔

۲۔ کیا اس راوی کا اپنی کتاب سے روایت کرنا جائز ہے جسے اس میں سے کچھ بھی حفظ نہیں؟

اس بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے شدت اختیار کرتے ہوئے افراط سے کام لیا اور بعض نے تساھل سے کام لیا اور تفریط کی اور بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور میانہ روی سے چلے۔

ا۔ متشددین : یہ کہتے ہیں وہی روایت حجت ہو سکتی ہے جو راوی اپنے حفظ سے بیان کرے یہ بات امام مالک' امام ابوحنیفہ اور ابو بکر صیدلانی شافعی سے مروی ہے۔

ب۔ متساھلین : ایک گروہ نے ان نسخوں اور کتابوں سے بھی روایت کی ہے جو اصل سے مقابلہ شدہ نہیں تھے جن میں سے ابن لھیعة بھی ہیں۔

ج۔ معتدلین متوسطین : یہ جمہور ہیں اور کہتے ہیں جب راوی تحمل اور مقابلہ میں ذکر کی گئی سابقہ شروط کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا کتاب سے روایت کرنا جائز ہے اگرچہ کتاب اس سے غائب ہو گئی ہو جب کہ غالب ظن یہی ہو کہ تغیر اور تبدیلی سے پاک ہے خاص طور پر جب وہ ان راویوں میں سے ہو جن پر تبدیلی غالباً مخفی نہیں رہ سکتی۔

۳۔ نابینے کی روایت کا حکم جو اپنے سماع سے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا :

جب نابینا جسے اپنے سماع سے کچھ بھی یاد اور محفوظ نہیں حدیث کے لکھنے میں جسے وہ

سن چکا ہو اور اس کے ضبط اور کتاب کی حفاظت پر ثقہ سے مدد لے اور اس پر قرات کے وقت احتیاط کرے اس طرح کہ اس کا غالب ظن یہی ہو کہ تغییر و تبدل سے حفاظت ہے اس کی روایت اکثر کے نزدیک درست ہے یہ ایسے ہی ہو گا جیسے ایک بینائی ہے جسے کچھ حفظ اور یاد نہیں ہوتا۔

۴۔ حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کی شرطیں :

سلف نے حدیث کو بالمعنی روایت کرنے سے متعلق اختلاف کیا ہے۔ بعض نے منع کیا ہے اور بعض نے جائز قرار دیا ہے۔

ا محدثین، فقہاء اور اصولیوں کی ایک جماعت نے اس سے منع کیا ہے جن میں سے ابن سیرین اور ابوبکر رازی ہیں۔

ب محدثین فقہاء اور اصولیوں میں سے جمہور سلف اور خلف نے اسے جائز کہا ہے جن میں سے ائمہ اربعہ ہیں بشرطیکہ راوی معنی کی ادائیگی کی قطعیت بیان کرے اور اس کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پھر جنہوں نے روایت بالمعنی جائز قرار دیا ہے اس کے لیے چند شرطیں لگائی ہیں۔

۱ راوی الفاظ اور ان کے مقاصد کو جاننے والا ہو۔

۲ ان عوارضات کو جانتا ہو اور ان پر خبردار ہو جو اس کے معانی کو پھیرتے اور پھر محال بناتے ہیں۔ یہ وہاں ہے جو احادیث تصانیف میں نہیں آئیں۔

باقی کتب مصنفہ سے کوئی چیز بالمعنی روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی ان میں موجود الفاظ کو بدلنا اگرچہ ان کے ہم معنی ہوں درست نہیں کیونکہ روایت بالمعنی کرنا جائز ہے ضرورت کے تحت جہاں کہیں راوی سے کوئی کلمہ غائب ہو جائے اور مخفی ہو جائے۔ لیکن احادیث کو کتابوں میں محفوظ کرنے کے بعد اب کوئی ایسی ضرورت نہیں جو روایت بالمعنی کا جواز پیدا کرے۔

روایت بالمعنی کرنے والے راوی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے کے بعد او کما قال یا اس جیسے اور اس کے مشابہ الفاظ کہے۔

۵۔ حدیث میں لحن اور اس کے اسباب :

حدیث میں لحن سے مراد اس کی قرات میں خطاء اور غلطی ہے۔

ظاہراور واضح ترین اسباب لحن :

ا۔ نحو اور لغت کی تعلیم کا فقدان : حدیث کے طالب علم پر ضروری ہے کہ وہ نحو اور لغت سیکھے جس کے ذریعے وہ لحن اور تصحیف سے سلامت رہ سکتا ہے۔

خطیب نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں مثل الذی یطلب الحدیث ولا یعرف النحو مثل الحمار علیه مخلاہ لا شعیر فیها۔ (تدریب الراوی ج ۲ ص ۱۰۶)

ترجمہ : "جو نحو و صرف کے علم کے بغیر حدیث طلب کرتا ہے اسی کی مثال اس گدھے کی ہے جس کے اوپر چھٹ ہوں لیکن ان میں جو نہ ہو۔"

ب۔ کتب اور صحیفوں سے حدیث اخذ کرنا اور اساتذہ سے حدیث نہ لینا : یہ بات ہماری نظر سے گذر چکی ہے کہ حدیث کے حصول اور اسے شیوخ سے لینے کے کئی طریقے ہیں۔ بعض بعض سے قوی تر ہیں۔ اور ان سب سے قوی تر شیخ کے لفظ سے سماع ہے یا اس پر قرات کرنا ہے تو حدیث کے ساتھ مشغول رہنے والے پر ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو اہل معرفت اور اہل تحقیق کے الفاظ سے حاصل کرے تاکہ تصحیف اور غلطی سے سلامت رہے۔ طالبِ حدیث کے لائق نہیں کہ وہ کتابوں اور صحیفوں کا قصد کرے اور ان سے احادیث لے اور روایت کرے اور انہیں کتابوں کو اپنا استاد قرار دے کیونکہ اس طرح اس کی خطائیں اور تصحیفات زیادہ ہوں گی۔ اس لیے علمائے قدیم کہا کرتے تھے "لَا تَاخُذْ الْقُرْآنَ مِنْ مُصْحَفِيٍّ وَلَا الْحَدِيْثَ مِنْ صَحَفِيٍّ۔"

ترجمہ : "قرآن کو نہ سیکھو اس سے جو قرآن کو اخذ کرتا ہے صحیفہ سے اور حدیث کو نہ سیکھو اس سے جو اسے کتابوں سے اخذ کرتا ہے۔"

غریب الحدیث

۱۔ تعریف :

لغوی : لغت میں غریب کہتے ہیں جو رشتہ داروں' عزیز و اقارب سے دور ہو۔ یہاں پر اس سے مُراد وہ الفاظ ہیں جن کا معنی مخفی ہو۔ صاحب قاموس کہتے ہیں غَرُبَ کَرُمَ کی طرح ہے غَمُضَ وَخَفِيَ یعنی گہرا' پوشیدہ اور مخفی۔ (القاموس ج ۱ ص ۱۱۵)

اصطلاحی : حدیث کے متن میں جو دقیق اور پیچیدہ لفظ واقع ہو اور اپنے قلت استعمال کی وجہ سے سمجھ اور فہم سے دور ہو۔

۲۔ اہمیت اور دشواری : یہ ایک بہت ہی اہمیت والا فن ہے جس سے ناواقفی محدثین کے ہاں قبیح شمار ہوتی ہے لیکن اس میں غور و فکر کرنا اور غوطہ لگانا دشوار ہے۔ اس میں غوطہ لگانے والے کو چاہیے کہ کوشش کرے اور درست راہ تلاش کرے اور خالی ظن اور گمانوں کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کی کلام کی تفسیر کے درپے ہونے اور اس کا اقدام کرنے سے اللہ سے ڈرے۔ سلف اس بارے میں انتہائی تحقیق اور ثبوت سے کام لیتے تھے۔

۳۔ اس کی عمدہ ترین تفسیر : غریب الفاظ کی عمدہ ترین تفسیر وہ ہے جو دوسری روایت میں مفسراً موجود ہو مثلاً عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مریض کی نماز کے متعلق حدیث ہے ((صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ.))
ترجمہ : کھڑے ہو کر نماز پڑھ اگر طاقت نہیں رکھتا تو بیٹھ کر اور اگر طاقت نہیں رکھتا تو پہلو پر۔ (بخاری)

علی جنب کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس کے لفظ یہ ہیں ((عَلٰى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ بِوَجْهِهِ.))
ترجمہ : اپنے دائیں پہلو پر قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے۔ (سنن الدار قطنی)

۴۔ **مشہور ترین تصانیف :**

ا غریب الحدیث ابو عبید القاسم بن سلام کی ہے۔

ب "النھایة فی غریب الحدیث والاثر" ابن اثیر کی ہے یہ سب سے عمدہ کتاب ہے۔

ج الدر النثیر امام سیوطی کی ہے یہ نہایہ کی تلخیص ہے۔

د الفائق امام زمخشری کی ہے۔

دوسری فصل

روایت کے آداب

پہلی بحث: محدث کے آداب

دوسری بحث: طالبِ حدیث کے آداب

پہلی بحث

محدث کے آداب

۱۔ مقدمہ:

حدیث کے ساتھ مشغول رہنا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف افضل ترین قرب کا ذریعہ ہے اور بہترین ہنر ہے اس لیے اس کے ساتھ مشغول رہنے والے اور اسے لوگوں میں نشر اور عام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین اخلاق اور عمدہ عادات اپنائے اور لوگوں کو سکھائی جانے والی چیز کے لیے سچی مثال ہو اور لوگوں کو اس کا حکم کرنے سے پہلے اسے اپنے نفس پر نافذ کرے۔

۲۔ معروف ترین امور جنہیں محدث اپنائے:

أ نیت کی درستگی اور اسے خالص کرنا اور دنیا کے اغراض و مقاصد سے دل کو پاک کرنا جیسے ریاست اور سرداری کی محبت اور شہرت ہے۔

ب سب سے بڑا مقصد حدیث کی نشر و اشاعت ہو اور زیادہ اور بہترین اجر کے حصول کی غرض سے حدیث کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے پہنچانا مقصود ہو۔

ج عمر اور علم میں اپنے سے بہتر کی موجودگی میں حدیث بیان نہ کرے۔

د جب کوئی حدیث کے متعلق سوال کرے اور اسے معلوم ہو کہ وہ چیز دوسرے کے

پاس موجود ہے تو اس کی طرف اس کی راہنمائی کرے۔

ھ کسی ایسے کو حدیث بیان کرنے سے باز نہ آئے جس کی نیت صحیح نہیں کیونکہ اس کی نیت کے درست ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

و جب حدیث کے لکھوانے اور سکھانے کا اہل ہو تو اس کے لیے مجلس منعقد کرے کیونکہ یہ روایت کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔

۳۔ جب املاء کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ کرے تو کون سے افعال مستحب ہیں؟

ا اپنی داڑھی کو پاک و صاف کرے' خوشبو لگائے اور چمکائے۔

ب رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت کی وجہ سے وقار اور رعب اور دبدبے کے ساتھ بیٹھے۔

ج تمام حاضرین کی طرف سے متوجہ ہو۔ دوسروں کو چھوڑ کر کسی ایک کو اپنی توجہ سے خاص نہ کرے۔

د ایسی باتوں سے اجتناب کرے جن تک حاضرین کی عقل کی رسائی ممکن نہ ہو اور وہ اسے سمجھ نہ سکیں۔

ھ دلوں کو سکون دلانے اور اکتاہٹ اور تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے حدیث کے لکھوانے کو حکایات و لطائف اور عجائبات و نوادرات سے ختم کرے۔

۴۔ محدث کو کس عُمر میں حدیث بیان کرنی چاہیے؟

اس بارہ میں اختلاف ہے۔

ا ایک قول پچاس سال کا ہے۔ ایک چالیس کا اور اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔

ب درست اور صحیح بات یہ ہے کہ جب وہ حدیث بیان کرنے کے اہل ہو اور لوگوں کو اس کے پاس موجود علم کے حصول کی حاجت اور ضرورت محسوس ہو تو بیانِ حدیث کے لیے بیٹھ جائے چاہے عُمر کچھ بھی ہو۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

ا۔ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع یہ خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

ب۔ جامع بیان العلم و فضلہ و ماینبغی فی روایتہ و حملہ یہ ابن عبدالبر کی تصنیف ہے۔

دوسری بحث

طالبِ حدیث کے آداب

۱۔ مقدمہ :

طالبِ حدیث کے آداب سے مُراد وہ بلند و عالی آداب اور اپنے مطلوب عِلم یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے شرف و مقام کے مناسب عمدہ اخلاق ہیں جن کے ساتھ اس طالب عِلم کو متصف ہونا چاہیے۔ ان میں سے کچھ تو وہ آداب ہیں جن میں یہ محدث کا شریک ہے اور کچھ اس کے لیے خاص ہیں۔

۲۔ وہ آداب جن میں محدث کے ساتھ شریک ہے :

أ نیت کی درستگی اور تصحیح اور طالبِ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو۔

ب اس بات سے اجتناب کرے کہ اس کا طلب حدیث کا مقصد دنیا کے اغراض و مقاصد کی طرف پہنچنا ہو کیونکہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کی تخریج کی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے ایسا عِلم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو وہ اسے دنیا کے کسی فائدے کے لیے سیکھے گا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔"

ج جو احادیث سنتا ہے اس پر عمل کرے۔

۳۔ وہ آداب جن میں وہ محدث سے منفرد ہے :

أ حدیث کے ضبط کرنے اور سمجھنے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق، درستگی، آسانی اور مدد کا سوال کرے۔

ب کلی طور پر حدیث کی طرف متوجہ ہو اور اس کے حصول میں اپنی کوشش اور محنت

خرچ کر دے۔

ج سماع کی ابتداء اپنے شہر کے سند' علم اور دین کے لحاظ سے راجح اور بلند ترین اساتذہ سے کرے۔

د اپنے استاذ اور جس سے سماع کرتا ہے اس کی تعظیم کرے۔ کیونکہ یہ چیز علم' جلال و بزرگی اور نفع کے حصول کے اسباب میں سے ہے اور استاد کی پسند اور رضا مندی تلاش کرے اور اس کی سزا اور سختی پر صبر کرے۔

ھ اپنے ہم جماعتوں اور بھائیوں کی ان فوائد کی طرف راہبری کرے جو اس نے طلب حدیث میں حاصل کیے اور ان سے چھپائے نہیں۔ کیونکہ فوائد علمیہ کا چھپانا نحوست ہے جس میں گھٹیا طلباء کی جہالت اور ناواقفی کو دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ حصول علم کا مقصد اس کی نشر و اشاعت ہوتی ہے۔

و اخذ علم اور تحصیل و سماع میں کوشش کرنے سے حیاء اور بڑھاپا مانع نہیں ہونا چاہیے اگرچہ استاد عمر اور مرتبہ میں کم ہو۔

ز حدیث کی معرفت اور فقہ کو چھوڑ کر اس کے سماع اور لکھنے پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بسا اوقات لمبے چوڑے فوائد حاصل کیے بغیر اپنے نفس کو تھکا دے گا۔

ح سماع' ضبط اور سمجھنے میں صحیحین کو مقدم کرے پھر سنن ابی داؤد اور ترمذی اور نسائی کو پھر بیہقی کی سنن کبریٰ پھر مسند اور جامع کتب سے جس کی ضرورت ہو جیسے مسند امام احمد اور موطا امام مالک ہے۔ اور علل کتابوں میں دار قطنی کی العلل ہے اور اسماء الرجال کی کتب سے بخاری کی التاریخ الکبیر ہے اور ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل ہے اور اسماء کے ضبط کے لیے ابنؒ ماکولا کی کتاب ہے اور حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے ابن اثیر کی النہایہ ہے۔

چوتھا باب

اسناد اور اس کے متعلقات

پہلی فصل

لطائف اسناد

۱ عالی اور نازل اسناد
۲ مسلسل
۳ بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا
۴ آباء کا بیٹوں سے روایت کرنا
۵ بیٹوں کا باپوں سے روایت کرنا
۶ مدبج اور اقران (ساتھیوں) روایت
۷ سابق اور لاحق

ا۔ عالی اور نازل اسناد

ا۔ تمہید : اسناد اس امت کی فضیلت بھری خصوصیت ہے اور گذشتہ امتوں میں سے کسی کے لیے نہیں اور یہ انتہائی تاکید والی سنت بالغہ ہے تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث اور اخبار کے نقل کرنے میں اس پر اعتماد کرے۔ ابن مبارک فرماتے ہیں "اسناد دین سے ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جو کوئی جس طرح چاہتا کہتا۔"

اور امام ثوری فرماتے ہیں "الاسناد سلاح المومن" اسناد مومن کا اسلحہ ہے۔ ایسے ہی عالی سند کی طلب بھی سنت اور بہترین طریقہ ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "عالی سند کی طلب اسلاف کی سنت ہے"

کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد کوفہ سے مدینہ کا سفر کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سیکھتے اور سماع کرتے تھے۔ اسی لیے تو طلب حدیث کے لیے سفر مستحب ہے۔ بہت سے صحابہ کرام نے عالی سند کی طلب میں سفر کیے جن میں سے حضرت ابو ایوب اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم ہیں۔

۲۔ تعریف :

لغوی : عالی علو سے اسم فاعل کا صیغہ ہے' نزول کی ضد ہے اور نازل نزول سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

اصطلاحی :

ا۔ عالی اسناد : وہ سند جس کے راویوں کی تعداد بہ نسبت دوسری سند کے کم ہو اسی حدیث کے وارد ہونے کے لحاظ سے۔

۲۔ نازل اسناد : وہ سند جس کے راویوں کی تعداد بہ نسبت اس حدیث کی دوسری سند کے زیادہ ہو۔

۳۔ علو کی قسمیں : علو پانچ قسموں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ایک علو مطلق ہے اور باقی علو نسبی ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ صحیح اور عیوب سے پاک سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا : یہ علو مطلق ہے اور علو کی بلند اور اعلیٰ ترین قسم ہے۔

ب۔ ائمہ حدیث میں سے کسی امام کے قریب ہونا : اگرچہ اس امام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تعداد زیادہ ہو جائے۔ مثلاً اعمش' ابن جریج یا مالک وغیرہ کا قرب حاصل ہو بشرطیکہ سند کی نظافت اور صحت برقرار رہے۔

ج۔ کتب صحاح ستہ اور دوسری معتمدہ کتابوں کی روایت کی نسبت قرب حاصل

ہو : یہی وہ چیز ہے جس کے سبب متاخرین نے موافقت' ابدال' مساوات' اور مصافحت کا اہتمام کیا ہے۔

۱۔ **موافقت** : موافقت سے مُراد مصنفین میں سے کسی کے شیخ تک اس کی سند کے علاوہ دوسرے طریق سے قلیل تعداد کے ساتھ پہنچنا بہ نسبت اس مصنف کے طریق کی تعداد کے۔ (یعنی بخاری کے طریق سے)

مثال : حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں امام بخاری قتیبہ سے روایت کرتے ہیں وہ مالک سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ اب اگر اس حدیث کو ہم بخاری کی سند سے بیان کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور اگر ہم اس حدیث کو بعینہٖ ابوالعباس السراج شیخ البخاری کے طریق سے وہ قتیبہ سے بیان کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان سات واسطے بنتے ہیں تو ہمارے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے شیخ میں عالی سند کے ساتھ موافقت ثابت ہوگئی۔ (شرح نخبہ ص ۶۱)

۲۔ **بدل** : کسی مصنف کے شیخ کے شیخ تک اس کی سند کے علاوہ دوسری سند سے کم واسطوں کے ذریعے پہنچنا۔

مثال : ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اسناد بعینہٖ ہم تک قعنبی عن مالك کے طریق سے پہنچتی ہے تو اس اسناد میں قعنبی قتیبہ کے بدل میں ہے۔ (قعنبی امام بخاری کے شیخ کے شیخ ہیں)

۳۔ **مساوات** : کسی مصنف کی سند کے ساتھ راوی سے لے کر آخر تک تعداد کی برابری مُراد ہے۔

مثال : حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ مثلاً امام نسائی ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان گیارہ اشخاص کا واسطہ ہے۔ بعینہٖ وہی حدیث ہمارے لیے ایک اور سند سے مروی ہوتی ہے تو ہمارے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان گیارہ اشخاص ہیں تو واسطوں کی تعداد کے اعتبار سے ہم امام نسائی سے برابری اور مساوات کر رہے ہیں۔

۴۔ مصافحہ : کسی مصنف کے شاگرد کے ساتھ راوی سے لے کر آخر تک اسناد کی تعداد (واسطوں) کا برابر ہونا۔ اس کا نام مصافحہ رکھا گیا ہے کیونکہ عام طور پر جب دو ملاقات کرتے ہیں تو مصافحہ کرنے کی عادت پڑ چکی ہے۔

د۔ راوی کی وفات کے مقدم ہونے کی وجہ سے علو : اِس کی مثال

مثال : امام نووی فرماتے ہیں میں جو تین واسطوں سے بیہقی سے روایت کروں وہ حاکم سے بیان کریں تو یہ اعلیٰ (عالی سند) ہو گی بہ نسبت اس کے جو تین واسطوں سے ابوبکر بن خلف سے روایت کروں اور وہ حاکم سے بیان کریں کیونکہ بیہقی کی وفات ابن خلف سے پہلے ہوئی ہے۔

(بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اور ابن خلف متوفی ۴۸۷ھ ہیں) التقریب بشرح التدریب ج ۲ ص ۱۶۸)

ھ۔ سماع کے مقدم ہونے کے سبب سے علو : شیخ سے پہلے سماع کرنے کی وجہ سے علو حاصل ہو تو جس نے شیخ سے پہلے سنا ہے وہ اس سے اعلیٰ ہو گا جس نے بعد میں سماع کیا ہے۔

مثال : دو شخص ایک شیخ سے سماع کرتے ہیں ان میں سے ایک نے ساٹھ سال سے سماع کیا تھا جب کہ دوسرے نے چالیس سال سے اور ان دونوں تک راوی کے واسطے برابر ہیں تو پہلے والا اعلیٰ ہو گا اور بعد والا انزل۔ خاص طور پر اس کے حق میں جس کا شیخ مختلط ہو گیا ہو یا بوڑھا ہو گیا ہو۔

۴۔ نزول کی قسمیں : نزول کی بھی پانچ قسمیں ہیں جو اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ علو کی ہر قسم کی جو ضد ہے وہ نزول کی قسم ہے۔

۵۔ علو افضل ہے یا نزول؟

ا۔ صحیح قول کے مطابق جو جمہور علماء کا قول ہے کہ علو نزول سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ حدیث سے خلل اور نقص کے احتمال کی کثرت کو دور کر دیتا ہے جب نزول سے اس بارہ میں بے پروائی برتی گئی ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں "النزول شؤم" کہ نزول نحوست ہے۔ یہ اس وقت ہے جب علو اور نزول سند میں قوت میں برابر ہوں۔

ب۔ نزول افضل ہو گا جب کہ نازل سند کسی فائدہ کے ساتھ ممتاز ہو۔ مثلاً (عالی سند کی نسبت نازل کے رجال زیادہ ثقہ یا احفظ یا افقہ ہوں)

۶۔ **مشہور ترین تصانیف** : اسانید عالی اور نازل کے لیے کوئی خاص تصانیف موجود نہیں ہیں لیکن علماء نے چند اجزاء منفرد طور پر لکھے ہیں جن پر ثلاثیات کا نام بولا جاتا ہے اور اس سے ان کی مُراد یہ ہے کہ مصنف اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین شخص ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ علماء کرام عالی سند کا اہتمام کرتے تھے۔ ان ثلاثیات میں سے ا۔ ثلاثیات البخاری ہے جو ابن حجر کی ہے۔ ۲۔ ثلاثیات احمد بن حنبل ہے جو سفارینی کی تصنیف ہے۔

۲۔ مسلسل

ا۔ تعریف :

لغوی : سُلْسِلَةٌ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔ اسی سے ہے سُلْسِلَةُ الْحَدِيْدِ (لوہے کی زنجیر) اس کا نام مسلسل اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے اجزاء میں ہم مثل اور اتصال کے پہلو سے سُلْسِلَةُ الْحَدِيْدِ کے مشابہ ہے۔

اصطلاحی : اسناد کے رجال کا ایک صفت یا حالت پر تسلسل سے اور لگاتار ہونا یہ تسلسل کبھی راویوں کے لیے اور کبھی روایت کے لیے ہوتا ہے۔

۲۔ **تعریف کی تشریح** : مسلسل اسے کہتے ہیں جس کی سند کے راوی تسلسل اختیار کریں اور ایک دوسرے کے والی بنیں۔

ا اپنی ایک ہی صفت میں اشتراک پر۔
ب اپنی ایک ہی حالت میں اشتراک پر۔
ج روایت کی ایک صفت میں اشتراک پر۔

۳۔ **اقسام** : تعریف کی تشریح سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ مسلسل کی انواع تین ہیں'

جو یہ ہیں :

۱۔ راویوں کے احوال میں مسلسل (۲) راویوں کی صفات میں مسلسل (۳) روایت کی صفات میں مسلسل

اب ان انواع کا بیان اور وضاحت درج ذیل ہے :

۱۔ راویوں کے احوال میں مسلسل : راویوں کے احوال یا تو اقوال ہوتے ہیں یا افعال' یا اقوال و افعال دونوں ہوتے ہیں۔

۱۔ راویوں کے قولی احوال میں مسلسل کی مثال : حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے معاذ میں تجھ سے محبّت کرتا ہوں۔ پس تو ہر فرضی نماز کے بعد دُعا کیا کر اے اللہ اپنے ذکر' شکر اور اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما! تو آپؐ کا فرمان ((إِنِّي أُحِبُّكَ فَقُلْ)) (میں تجھ سے محبّت کرتا ہوں تو یہ دُعا کر) میں تمام راوی برابری اور مسلسل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (یعنی ہر راوی نے اپنے شاگرد کو یہی کہا) (اخرجہ ابوداؤد)

۲۔ راویوں کے فعلی احوال میں مسلسل کی مثال : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں تشبیك ڈالی (اپنی انگلیوں کو میری انگلیوں میں داخل کیا) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا۔

تمام راویوں میں شاگرد کے ہاتھ میں تشبیك ڈالنے کا مسلسل ہے (اخرجہ الحاکم مسلسلاً فی معرفة علوم الحدیث ص ۴۲)

۳۔ راویوں کے قولی اور فعلی احوال میں مسلسل کی مثال : حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ ایمان کی مٹھاس نہیں پا سکتا حتیٰ کہ اچھی اور بُری' میٹھی اور کڑوی تقدیر پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑا اور فرمایا میں اچھی' بُری' میٹھی اور کڑوی تقدیر پر ایمان لایا۔

اب داڑھی کو مٹھی میں پکڑنے (فعل) اور میں اچھی' بُری' میٹھی' کڑوی تقدیر پر ایمان لایا (قول) میں راویوں کا مسلسل ہے۔

ہر راوی نے اپنے شاگرد کو حدیث بیان کرتے ہوئے آخر میں یوں ہی کیا اور یہی

کہا۔

ب۔ راویوں کی صفات میں مسلسل :
راویوں کی صفات بھی قولی ہوتی ہیں یا فعلی۔

۱۔ راویوں کی قولی صفات میں مسلسل کی مثال : سورت کی قرات میں مسلسل حدیث ہے ہر راوی تسلسل سے اور لگا تار یہی بیان کرتا ہے فلاں نے اسے اس طرح پڑھا۔ امام عراقی فرماتے ہیں راویوں کی قولی صفات اور قولی احوال قریب اور باہم ایک جیسے اور ہم مثل ہیں۔

۲۔ راویوں کی فعلی صفات میں مسلسل : جیسے راویوں کے ناموں کا متفق ہو جانا جیسے مسلسل محمد بیان ہو یا ان کی صفات کا متفق ہو جانا جیسے مسلسل فقہاء یا حفاظ بیان کریں یا نسبتیں متفق ہوں جیسے دِمَشْقِیِیْنَ یا مِصْرِیِیْنَ بیان ہوں۔

ج۔ روایت کی صفات میں مسلسل : روایت کی صفات کا تعلق یا اداء کے صیغوں سے ہوتا ہے یا روایت کے زمانے سے یا جگہ سے۔

۱۔ اداء کے صیغوں میں مسلسل : مثلاً ایک حدیث آئے جس میں تسلسل سے ہر راوی یہی کہے۔ سَمِعْتُ یا اَخْبَرَنَا۔

۲۔ روایت کے زمانہ میں مسلسل : مثلاً ایک حدیث کی روایت تسلسل سے عید کے دن ہو۔

۳۔ روایت کے مکان اور جگہ میں مسلسل : جیسے وہ حدیث مسلسل ہے جس میں ملتزم میں دعا کی اجابت کا ذکر ہے۔

۴۔ افضل ترین مسلسل : سب سے افضل وہ ہے جو سماع میں اتصال پر دلالت کرے، تدلیس کے نہ ہونے کا ثبوت دے۔

۵۔ فائدے : راویوں کی طرف سے ضبط کی زیادتی پر شامل ہونا اور دلالت کرنا۔

۶۔ کیا تمام سند میں تسلسل کے موجود ہونے کی شرط ہے؟ اس کی کوئی

شرط نہیں بسا اوقات تسلسل درمیان میں یا آخر میں جا کر ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس حالت میں محدثین یوں کہتے ہیں یہ فلاں تک مسلسل ہے۔ "هَذَا مُسَلْسَلٌ اِلَى فُلَانٍ۔"

۷۔ **مسلسل اور صحت کے درمیان کوئی ربط نہیں** : بہت کم ہے کہ مسلسل حدیث تسلسل میں خلل یا ضعف سے سلامت ہو اور اگرچہ حدیث کی اصل تسلسل کے علاوہ کسی اور طریق سے صحیح ثابت ہو۔

۸۔ **مشہور ترین تصانیف** :

ا المسلسلات الکبری سیوطی کی ہے یہ پچاسی احادیث پر مشتمل ہے۔

ب المناهل السلسلة في الاحاديث المسلسلة : محمد عبدالباقی ایوبی کی ہے۔ یہ دو سو بارہ احادیث پر مشتمل ہے۔

۳۔ اکابر کی روایت اصاغر سے

۱۔ **تعریف** :

لغوی : اکابر اکبر کی جمع ہے اور اصاغر اصغر کی جمع ہے اور معنی یہ ہے کہ بڑوں کی چھوٹوں سے روایت۔

اصطلاحی : ایک شخص اس شیخ سے روایت کرے جو اس سے عُمر اور طبقہ میں چھوٹا ہو یا عِلم اور حافظے میں چھوٹا اور کم ہو۔

۲۔ **تعریف کی تشریح** : یہ کہ راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس سے عُمر میں چھوٹا اور طبقے میں نیچے اور کم ہو اور طبقے میں قرب ہو جیسے صحابہ تابعین سے روایت کریں وغیرہ یا راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس سے عِلم اور حفظ میں کم ہو جیسے ایک عالم اور حافظ کسی شیخ (صالح) سے روایت کرے اگرچہ یہ شیخ اس سے عُمر میں بڑا ہو۔

نوٹ : متنبہ رہنا چاہیے کہ صرف عُمر میں بڑا ہونے اور طبقہ میں مقدم اور پیش پیش ہونے کا نام کہ "علم میں استاذ سے برابری نہ ہو" اکابر کی روایت اصاغر نہیں رکھا جا سکتا

جس کی وضاحت آنے والی مثالیں کرتی ہیں۔

۳۔ **قسمیں اور مثالیں** : اس کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا یہ کہ راوی مروی عنہ سے عُمر میں بڑا ہو اور طبقے میں مقدم اور پہلے ہو (یعنی ساتھ ساتھ عِلم اور حفظ بھی ہو)

ب یہ کہ راوی مروی عنہ سے مقام و منزلت اور مرتبے میں بڑا ہو نہ کہ عُمر میں۔ جیسے ایک عالم اور حافظ شیخ کبیر سے روایت کرے جو غیر حافظ ہو۔ مثلاً امام مالک عبداللہ بن دینار سے روایت کریں۔

(اب مالک امام اور حافظ ہیں' جب کہ عبداللہ بن دینار صرف راوی اور شیخ ہیں اگرچہ مالک سے عُمر میں بڑے ہیں)

ج یہ کہ راوی مروی عنہ سے عُمر میں بڑا اور منزلت میں مقدم ہو یعنی اس سے بڑا اور زیادہ عالم ہو مثلاً امام برقانی خطیب بغدادی سے روایت کریں۔

(کیونکہ امام برقانی خطیب سے عُمر میں بڑے اور منزلت و مقام میں بلند ہیں۔ اس لیے کہ خطیب کے شیخ اور معلم ہیں اور ان سے زیادہ عِلم والے ہیں)

۴۔ **"اکابر کی روایت اصاغر سے" کی چند صورتیں** :

ا صحابہ تابعین سے روایت کریں جیسے عبادلہ صحابہ وغیرہ کعب احبار سے روایت کریں (عبادلہ صحابہ وہ ہیں جن کا نام عبداللہ ہے زیادہ مشہور ہیں جنہیں عبادلہ اربعہ کہتے ہیں)

ب تابعی کی روایت تبع تابعی سے جیسے یحیٰی بن سعید انصاری امام مالک سے روایت کریں۔

۵۔ **فوائد** : ا۔ یہ وہم اور خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مروی عنہ راوی سے فضیلت والا اور بڑا ہوتا ہے کیونکہ اکثر ایسے ہی ہوتا ہے۔

ب۔ یہ گمان اور خیال نہیں کرنا چاہیے کہ سند میں انقلاب (قلب) ہوا ہے کیونکہ عام طور پر چھوٹے بڑوں سے روایت کرتے ہیں۔

۶۔ **مشہور ترین تصانیف** :

ایک کتاب جس کا نام "ما رواہ الکبار عن الصغار والاباء عن الابناء" ہے۔ یہ حافظ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم وراق متوفی ۴۰۳ھ کی تصنیف ہے۔

۴۔ آباء کی روایت ابناء سے

۱۔ **تعریف** : یہ کہ سند میں ایسا راوی موجود ہو جو اپنے بیٹے سے روایت کر رہا ہو۔

۲۔ **مثال** : وہ حدیث جسے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دو نمازوں (مغرب و عشاء) کو جمع کیا تھا۔

۳۔ **فائدے** : یہ گمان نہ کیا جا سکے کہ سند میں قلب یا غلطی ہوئی ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ بیٹا اپنے باپ سے روایت کرتا ہے یہ قسم اور اس سے پہلے والی قسم حدیث کے علماء کی تواضع پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہر شخص سے علم حاصل کر لیتے تھے اگرچہ وہ ان سے مرتبے اور عمر میں کم اور چھوٹا ہو۔

۴۔ **مشہور ترین تصانیف** : خطیب بغدادی کی تصنیف "روایۃ الاباء عن الابناء"

۵۔ ابناء کی روایت آباء سے

۱۔ **تعریف** : حدیث کی سند میں ایسا راوی موجود ہو جو صرف اپنے باپ سے روایت کرے یا اپنے باپ اور وہ اس کے دادا سے روایت کرے (یعنی سند میں جو لفظ ہوں عن ابیہ یا عن ابیہ عن جدہ)

۲۔ **اہم ترین قسم** : اس نوع کی اہم ترین صورت وہ ہے جس میں باپ یا دادے کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ اس میں نام کی پہچان کے لیے بحث کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ **قسمیں** : اس کی دو قسمیں ہیں :

(أ) راوی صرف باپ سے روایت کرے یعنی دادا سے روایت نہ ہو۔ یہ صورت عام

اور بکثرت ہے مثلاً ابوالعشراء عن ابیہ کی روایت۔

(ابوالعشراء اور اس کے باپ کے نام میں کئی اقوال پر اختلاف ہے مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ اسامہ بن مالک ہے)

ب راوی کی باپ سے اور دادا سے روایت یا باپ اور دادا سے اوپر تک روایت۔ مثلاً عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت

(عمرو کا نسب اس طرح ہے "عمرو بن شعیب بن مُحمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص" عمرو کا دادا محمّد ہے لیکن علماء نے جانچ پڑتال اور چھان پھٹک کے بعد ثابت کیا ہے کہ جدہ میں ضمیر کا مرجع شعیب ہے تو جدہ سے مُراد عبداللہ بن عمرو مشہور صحابی ہیں۔ (شعیب کا دادا) بعض نے جدہ کی ضمیر کا مرجع عمرو بتایا ہے تو اس اعتبار سے جدہ سے مُراد عمرو کا دادا محمّد ہے اور محمّد سے اس کے بیٹے شعیب کا سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا سند منقطع قرار پائے گی۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

۴ : فوائد :

ا جب صراحت موجود نہ ہو تو باپ یا دادا کے نام کی معرفت سے متعلق بحث کرنا۔

ب جد سے جو شخصیت مُراد ہو اس کا بیان آیا کہ وہ بیٹے کا دادا مُراد ہے یا باپ کا۔

۵ : مشہور ترین تصانیف :

ا روایۃ الابناء عن آبائھم۔ ابونصر عبیداللہ بن سعید وائلی کی تصنیف ہے۔

ب جزء من روی عن ابیہ عن جدہ ابن ابی خیثمہ کی تصنیف ہے۔

ج کتاب الوسی العلم فی من روی عن ابیہ عن جدہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ حافظ علائی کی تصنیف ہے۔

۶۔ مدبج اور اقران کی روایت

ا۔ اقران کی تعریف :

لغوی : اقران قرین کی جمع ہے جس کا معنی ہے مصاحب اور ہم مکتب جیسے قاموس میں

موجود ہے۔

اصطلاحی : جو عمر اور اسناد میں متقارب ہوں اور ایک ہی طبقہ میں شیوخ سے اخذ علم کیا ہو۔

۲۔ **روایۃ الاقران کی تعریف** : دو قرینوں میں سے ایک دوسرے سے روایت کرے مثلاً سلیمان التیمی کی مسعر بن کدام سے روایت ہے یہ دونوں قرین اور باہم ساتھی ہیں لیکن ہمیں مسعر کا تیمی سے روایت کرنا معلوم نہیں ہو سکا۔

۳۔ مدبج کی تعریف :

لغوی : مدبج تدبیج سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی تزئین اور مزین کرنا اور تدبیج عربی مقولہ دِیْبَاجَتِیَ الْوَجْهُ یعنی الخَدَّیْنِ سے مشتق ہے (یعنی دونوں رخساروں کا برابر ہونا) حدیث کی اس نوع کا نام مدبج اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ جیسے رخسار برابر ہوتے ہیں ایسے ہی یہاں پر راوی اور مروی عنہ برابر ہوتے ہیں۔

اصطلاحی : دو قرینوں (ساتھیوں) میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے۔

۴۔ مدبج کی مثالیں :

ا۔ **صحابہ میں** : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

ب۔ **تابعین میں** : امام زہری کی عمر بن عبدالعزیز سے روایت اور عمر بن عبدالعزیز کی امام زہری سے روایت۔

ج۔ **تبع تابعین میں** : امام مالک کی امام اوزاعی سے روایت اور امام اوزاعی کی امام مالک سے روایت۔

۵۔ **فائدے** : ا۔ سند میں زیادتی کا گمان نہ کیا جائے۔
(کیونکہ اصل یہ ہے کہ شاگرد استاد سے روایت کرتا ہے تو جب ساتھی ساتھی سے روایت کرتا ہے تو اس قسم کو نہ جاننے والا گمان کرے گا کہ یہ ناقل اور ناسخ سے مروی عنہ کی

زیادتی ہوئی ہے۔

ب۔ عن کو واؤ سے بدلنے کا گمان بھی نہ کیا جائے۔

(یعنی اسناد کے سننے یا پڑھنے والے کو یہ گمان نہ ہو کہ اصل سند یوں تھی حد ثنا فلان و فلان لیکن غلطی سے واؤ کو عن سے بدل دیا اور کہا کہ حد ثنا فلان عن فلان)

۶۔ مشہور ترین تصانیف :

ا المدبج دارقطنی کی تصنیف ہے۔

ب "روایۃ الاقران" ابوالشیخ الاصبہانی کی تصنیف ہے۔

۷۔ سابق اور لاحق

ا۔ تعریف :

لغوی : سَابِقْ سَبَقَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی متقدم (پہلے آنے والا) اور لَاحِقْ لَحَاقَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی متاخر (بعد میں آنے والا) یہاں اس سے مُراد وہ راوی ہے جو موت میں مقدم ہو اور موت میں مؤخر ہو۔

اصطلاحی : ایک شیخ سے روایت کرنے میں دو راوی مشترک ہوں لیکن ان کی وفات میں بعد اور دوری ہو۔

۲۔ مثال :

ا۔ محمدّ بن اسحاق السراج : اس سے روایت کرنے میں امام بخاری اور الخفاف شریک ہیں جب کہ ان دونوں کی وفاتوں میں ایک سو پینتیس سال یا اس سے بھی زیادہ فرق اور بعد ہے (کیونکہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ ہیں جب کہ احمد بن محمدّ الخفاف متوفی ۳۹۳ھ ہیں بعض کے نزدیک ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ ہیں)

ب۔ امام مالک : ان سے روایت کرنے میں امام زہری اور احمد بن اسماعیل السہمی شریک ہیں لیکن ان کی وفاتوں میں ایک سو پینتیس سال کا فرق ہے کیونکہ زہری ۱۲۴ھ میں فوت ہوئے ہیں جب کہ السہمی ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے

کہ زہری مالک سے عُمر میں بڑے ہیں کیونکہ وہ تابعین میں سے ہیں اور مالک تبع تابعین میں سے ہیں تو زہری کا مالک سے روایت کرنا' اسے رِوَایَۃُ الْاَکَابِرِ عَنْ الْاَصَاغِرِ سے شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ بحث گذر چکی ہے۔

دوسری طرف سہمی مالک سے عُمر میں چھوٹے ہیں باوجود اس کے کہ سہمی کو لمبی عُمر دی گئی کیونکہ ان کی عُمر سو سال کو پہنچی اس کی وجہ سے ان کی اور امام زہری کی وفات میں اتنا بڑا فرق ہے۔

اس سے بھی واضح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ سابق راوی اس مروی عنہ کا شیخ ہوتا ہے اور لاحق راوی اس کا شاگرد ہوتا ہے اور یہ شاگرد لمبی زندگی پاتا ہے۔

۳۔ فائدے :

أ دلوں میں اسناد کے عالی ہونے کی حلاوت اور مٹھاس ثبت ہوتی ہے۔

ب لاحق کی سند میں انقطاع کا گمان اور وہم نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ مشہور ترین تصانیف :

"السابق واللاحق" یہ خطیب بغدادی کی کتاب ہے۔

دوسری فصل

راویوں کی پہچان

۱ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہچان
۲ تابعین کی پہچان
۳ بھائیوں اور بہنوں کی پہچان
۴ متفق اور متفرق
۵ موتلف اور مختلف
۶ متشابہ
۷ مہمل
۸ مبہمات کی پہچان
۹ وحدان کی پہچان
۱۰ ان راویوں کی پہچان جنہیں کئی نام یا مختلف صفات سے یاد کیا جاتا ہے
۱۱ ناموں' کنیتوں اور لقبوں میں سے مفردات کی پہچان
۱۲ ان کے ناموں کی پہچان جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں
۱۳ القاب کی پہچان
۱۴ ان کی پہچان جو اپنے باپوں کے غیر کی طرف منسوب ہیں
۱۵ ان نسبتوں کی پہچان جو اپنے ظاہر (معنی) کے خلاف ہیں
۱۶ راویوں کی تاریخوں کی پہچان
۱۷ ثقات میں سے مختلط راویوں کی پہچان
۱۸ علماء اور راویوں کے طبقوں کی پہچان
۱۹ راویوں اور علماء میں سے الموالی کی پہچان
۲۰ ثقہ اور ضعیف راویوں کی پہچان
۲۱ راویوں کے وطنوں اور شہروں کی پہچان

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہچان

۱۔ صحابی کی تعریف :

لغوی : صحابہ کا لفظ لغوی طور پر مصدر ہے بمعنی صحبت۔ اسی سے صحابی اور صاحب کے کلمے بنے ہیں اس کی جمع اصحاب اور صحب آتی ہے اور صحابہ کا اکثر استعمال اصحاب کے معنی میں ہوتا ہے۔

اصطلاحی : جس نے مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر وفات پائی ہو۔ اور صحیح قول کے مطابق اگرچہ درمیان میں مرتد ہی ہو چکا ہو۔

۲۔ اہمیت اور فائدہ : صحابہ کی پہچان ایک اہم اور بڑا عظیم فائدے والا علم ہے۔ اس کے فوائد میں سے ایک متصل اور مرسل کی پہچان ہوتی ہے۔

۳۔ صحابی کی صحبت کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟

صحبت کی پہچان پانچ امور میں سے کسی ایک کے ذریعے ہوتی ہے۔

ا۔ تواتر : جیسے ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہیں اور دیگر عشرہ مبشرہ بالجنہ ہیں۔

ب۔ شہرت : جیسے ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن ہیں۔

ج۔ اخبار صحابی : کوئی صحابی خبر دے کہ فلاں صحابی ہے۔

د۔ اخبار ثقہ تابعی : کوئی ثقہ تابعی خبر دے کہ فلاں صحابی ہے۔

ھ۔ اخبار نفسہ : وہ خود گواہی دے کہ میں صحابی ہوں بشرطیکہ وہ عادل ہو اور اس کا صحبت کا دعویٰ ممکن ہو۔

(اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سو سال سے قبل صحبت کا دعویٰ کرے لیکن اگر سو سال کے بعد متاخر زمانہ میں صحبت کا دعویٰ کرے تو وہ قبول نہیں ہو گا جیسے رتن ھندی نے ہجرت کے چھ سو سال بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ یہ ایک

دجال اور جھوٹا آدمی تھا۔ (میزان الاعتدال الذہبی)

۴۔ **تمام صحابہ عادل ہیں** : صحابہ تمام کے تمام عادل تھے خواہ کوئی فتنوں کے زمانہ تک موجود رہا یا فتنے نہیں دیکھے اور یہی معتد بہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ان کے عادل ہونے کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے روایت میں عمداً جھوٹ سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس میں انحراف سے کام نہ لیا۔ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کیا جس سے ان کی روایت قبول نہ ہو۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی عدالت میں بحث کرنے کی تکلیف اٹھائے بغیر ان کی تمام روایات قبول کی جائیں گی۔ باقی جو فتنوں میں موجود رہا اس کا معاملہ اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس کا انہیں اجر ملے گا۔ ان کے متعلق حسن ظن رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہی شریعت کو اٹھانے والے اور خیرالقرون کے لوگ ہیں۔

۵۔ **بکثرت احادیث روایت کرنے والے صحابی** : چھ صحابی بکثرت احادیث بیان کرنے والے ہیں، جو بالترتیب یہ ہیں :

أ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ : انہوں نے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے شاگرد تین سو سے زائد ہیں۔

ب ابن عمر رضی اللہ عنہما : انہوں نے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) احادیث روایت کی ہیں۔

ج انس بن مالک رضی اللہ عنہ : انہوں نے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث (۲۲۸۶) روایت کی ہیں۔

د ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا : انہوں نے دو ہزار دو سو دس (۱۲۶۰) احادیث روایت کی ہیں۔

د ابن عباس رضی اللہ عنہما : انہوں نے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث (۱۶۶۰) روایت کی ہیں۔

و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما : انہوں نے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث روایت کیں۔

۶۔ **زیادہ فتویٰ دینے والے اصحاب** : سب سے زیادہ فتوے جس صحابی سے مروی ہیں وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، پھر کبار صحابہ ہیں اور وہ چھ ہیں جس طرح کہ مسروق رحمہ اللہ

فرماتے ہیں۔ صحابہ کے علم کی انتہاء چھ نفوس تک ہے، عمرؓ علیؓ، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو درداء اور ابن مسعود حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ پھر ان چھ کے علم کی انتہاء دو پر ہے حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۷۔ **عبادلہ کون ہیں؟** عبادلہ سے مُراد وہ صحابی ہیں جن کا نام عبداللہ ہے اور ان کی تعداد تقریباً تین سو صحابی ہیں لیکن یہاں پر عبادلہ سے مُراد چار صحابی ہیں جن کا نام عبداللہ ہے۔ جو یہ ہیں :

ا۔ عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما

ب۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

ج۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

د۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

ان کی خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ علماء صحابہ میں سے ہیں جن کی وفات تاخیر سے ہوئی ہے حتیٰ کہ لوگ ان کے عِلم کے محتاج تھے۔ یہی ان کی خوبی اور شہرت بنی۔ جب یہ کسی چیز کے فتویٰ پر متفق ہوں تو کہا جاتا ہے یہ عبادلہ کا قول ہے۔

۸۔ **صحابہ کی تعداد :** صحابہ کی تعداد کے متعلق کوئی دقیق اور مستند شمار موجود نہیں لیکن اس بارے میں اہل عِلم کے اقوال موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان اقوال میں سے مشہور ترین قول ابو زرعہ الرازی کا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ ایسے ملتے ہیں جنہوں نے آپؐ سے سماع کیا اور روایت کی ہے۔ (التقریب مع التدریب ج ۲ ص ۲۲۰)

۹۔ **صحابہ کے طبقوں کی تعداد :** ان کے طبقات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے سبقت اسلام یا سبقت ہجرت یا بڑے بڑے غزوات میں حاضر ہونے کے اعتبار سے صحابہ کے طبقے بنائے اور بعض نے دوسرے اعتبار سے تقسیم کی۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد اور رائے سے تقسیم کی۔

ا۔ ابن سعد نے صحابہ کی تقسیم پانچ طبقوں میں کی ہے۔

ب۔ امام حاکم نے بارہ طبقے بنائے ہیں۔

۱۰۔ **افضل ترین صحابہ :** اہل سنت کے اجماع کے مطابق مطلقاً افضل ترین صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔ اس کے بعد جمہور اہل سنت کے مطابق دیگر عشرہ مبشرہ ہیں۔ پھر بدر والے' پھر احد والے' پھر بیعت رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ ہیں۔

۱۱۔ **سب سے پہلے اسلام لانے والے :**

ا آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ب بچوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

ج عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

د آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ھ غلاموں میں حضرت بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ تھے۔

۱۲۔ **سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی :**

سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی ہیں جو ۱۰۰ ہجری میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ سو کے بعد فوت ہوئے (۱۱۰ھ میں) ان سے پہلے اور باقی سب سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جو ۹۳ ہجری میں بصرہ میں فوت ہوئے۔

۱۳۔ **مشہور ترین تصانیف :**

ا "الاصابة فی تمییز الصحابة" ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے۔

ب "اسد الغابة فی معرفه الصحابة" علی بن محمد الجزری کی تصنیف ہے جو ابن اثیر کے نام سے مشہور ہیں۔

ج "الاستیعاب فی اسماء الاصحاب" ابن عبدالبر کی تصنیف ہے۔

۲۔ تابعین کی پہچان

۱۔ تابعی کی تعریف :

لغوی : التابعون یہ تابعی یا تابع کی جمع ہے اور تابع تبعه سے ماخوذ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تَبِعَهُ کے معنی ہیں مَشَی خَلْفَهُ کہ وہ اس کے پیچھے چلا۔

اصطلاحی : جو شخص اسلام کی حالت میں صحابی سے ملا ہو اور اسلام پر ہی وفات پائی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے صحابی کی صحبت اختیار کی ہو۔

۲۔ فائدے : متصل سے مرسل کی تمیز ہوتی ہے۔

۳۔ تابعین کے طبقے : ان کے طبقوں میں بھی اختلاف ہے۔ ہر عالم نے اپنی پسند کے اعتبار سے تقسیم کی ہے۔

ا امام مسلم نے تین طبقے بنائے ہیں۔

ب ابن سعد نے چار طبقے بنائے ہیں۔

ج حاکم نے پندرہ طبقے بنائے ہیں۔ سب سے پہلا طبقہ وہ جنھوں نے عشرہ مبشرہ کو پایا ہے۔

۴۔ مُخَضْرَمُوْنَ : اس کی واحد مُخَضْرَمُ ہے اور مُخَضْرَمُ وہ آدمی ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پایا اور اسلام بھی قبول کیا لیکن آپ ﷺ کو دیکھا نہیں۔ تو صحیح قول کے مطابق مُخَضْرَمُوْنَ تابعین میں سے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً بیس ہے جیسا کہ امام مسلم نے شمار کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے جن میں ابو عثمان النہدی اور اسود بن یزید النخعی شامل ہیں۔

۵۔ فقہا سبعہ : کبار تابعین میں سے فقہائے سبعہ ہیں جو کبار علمائے تابعین کہلاتے ہیں اور یہ سب اہل مدینہ سے ہیں، جو یہ ہیں

سعید بن مسیب، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، خارجہ بن زید، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عتبہ، سلیمان بن یسار۔

عبداللہ بن مبارک نے ابو سلمہ کی بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوالزناد نے (سالم اور ابو سلمہ) دونوں کی جگہ پر ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ام الدرداء کو شمار کیا ہے۔ یہ ام الدرداء صغریٰ ہے' اس کا نام ھجیمہ ہے' بعض کے نزدیک جھیمہ ہے' یہ ابو درداء کی بیوی ہے' باقی ام درداء کبریٰ وہ بھی ابودرداء کی بیوی ہے ان کا نام خیرہ تھا اور وہ صحابیہ تھیں۔

۶۔ **افضل ترین تابعی** : تابعین کی افضلیت میں علما کے کئی قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ افضل ترین سعید بن مسیب تھے ---- ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی کہتے ہیں :

ا مدینہ والوں کے نزدیک افضل ترین تابعی سعید بن مسیب ہیں۔

ب کوفہ والوں کے نزدیک اویس قرنی ہیں۔

ج بصرہ والوں کے نزدیک حسن بصری ہیں۔

۷۔ **افضل ترین تابعیات** : ابوبکر بن ابی داؤد فرماتے ہیں تابعیات کی سردار حفصہ بنت سیرین اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن تھیں' پھر ان کے بعد ام الدرداء ہیں۔

۸۔ **مشہور ترین تصانیف** :

"معرفۃ التابعین" یہ ابوالمطرف بن فطیس اندلسی کی کتاب ہے۔

۳۔ بھائیوں اور بہنوں کی پہچان

۱۔ **تمہید** : یہ وہ علم ہے جو محدثین کی توجہ کا مرکز رہا' جس کا انہوں نے اہتمام کیا اور اس میں الگ تصنیف کی ہے۔ ہر طبقے میں راویوں میں سے "بھائی اور بہنوں (اخوہ اور اخوات) کی پہچان" اس نوع کو بحث اور تصنیف کے لیے الگ مستقل صورت میں لانا' راویوں کے متعلق محدثین کے اہتمام اور توجہ کی انتہا پر دال ہے اور ان راویوں کے سلسلہ نسب اور بھائی بہنوں کی پہچان پر دلالت کرتا ہے' اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں جو آنے والی قسموں میں بیان ہوں گے۔

۲۔ **فائدے** : اس بحث کی پہچان کا فائدہ یہ ہے کہ باپ کے نام میں اشتراک کے

سبب غیر بھائی کو بھائی خیال نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عبداللہ بن دینار اور عمرو بن دینار ہیں' اب جو اس بحث کو نہیں جانتا انہیں بھائی خیال کرے گا کیونکہ باپ کا نام مشترک (دینار) ہے حالانکہ یہ بھائی نہیں ہیں۔

مثالیں :

ا دو کی مثال صحابہ میں : عمر اور زید رضی اللہ عنہما دونوں خطاب کے بیٹے ہیں۔

ب تین کی مثال صحابہ میں : علی' جعفر اور عقیل رضی اللہ عنہم تینوں ابوطالب کے بیٹے ہیں۔

ج چار کی مثال تبع تابعین میں : سہیل' عبداللہ' محمد اور صالح چاروں ابو صالح کے بیٹے ہیں۔

د پانچ کی مثال تبع تابعین میں : سفیان' آدم' عمران' محمد اور ابراہیم سب عیینہ کے بیٹے ہیں۔

ھ چھ کی مثال تابعین میں : محمد' انس' یحییٰ' معبد' حفصہ اور کریمہ سب سیرین کی اولاد ہیں۔

و سات کی مثال صحابہ میں : نعمان' معقل' عقیل' سوید' سنان' عبدالرحمٰن اور عبداللہ تمام مقرن کے بیٹے ہیں۔

یہ ساتوں صحابی اور مہاجر ہیں' اس منزلت میں ان کا کوئی شریک نہیں (یعنی صحابہ میں ایسی اور مثال نہیں ملتی) کہا گیا ہے کہ یہ سب غزوہ خندق میں حاضر ہوئے تھے۔

ز جیسے آج کسی کے سات بیٹے ہوں۔ یوسف۔ یونس۔ طفیل۔ اقبال۔ نواز۔ افضال۔ بلال۔

۴۔ مشہور ترین تصانیف :

ا "الاخوۃ" یہ ابوالمطرف بن فطیس اندلسی کی کتاب ہے۔

ب "الاخوۃ" ابوالعباس السراج کی کتاب ہے۔

۴۔ متفق اور مفترق

ا۔ تعریف :

لغوی : الْمُتَّفِقْ اِتِّفَاق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور مُفْتَرِقْ اِفْتِرَاق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ مفترق متفق کی ضد ہے۔

اصطلاحی : راویوں اور ان کے باپوں کے نام اور اوپر تک کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں جب کہ اشخاص (مسمی) مختلف ہوں، ایسے ہی ان کے نام اور کنیتیں یا ان کے نام اور نسبتیں وغیرہ متفق اور ایک جیسی ہوں۔

۲۔ مثالیں :

ا الخلیل بن احمد : اس نام کے چھ اشخاص (راوی) ہیں سب سے پہلا سیبویہ کا استاد ہے۔

ب احمد بن جعفر بن حمدان : ایک ہی زمانے کے چار شخص ہیں جن کا یہی نام ہے۔

ج عمر بن خطاب : اس نام کے چھ شخص ہیں۔

(ایک نام میں زیادہ سے زیادہ اشتراک کی مثال جو خطیب بغدادی کی کتاب المتفق والمفترق میں ملتی ہے وہ سترہ شخصوں کی ہے)

۳۔ اہمیت اور فائدہ :

اس نوع کی پہچان بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے اکابر علما راہ صواب سے پھسل گئے اور اس کے فائدوں میں سے ہے۔

ا ایک نام میں مشترک جماعت کو ایک راوی خیال نہیں کیا جا سکتا اور یہ مہمل کے برعکس ہے کیونکہ اس میں ایک راوی کو دو یا زیادہ شمار کرنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ (شرح ا...)

ب ایک نام میں مشترک راویوں میں تمیز ہو جاتی ہے، بسا اوقات ایک ضعیف ہوتا ہے

اور دوسرا ثقہ' اس کی معرفت کے بغیر ضعیف کو ثقہ یا ثقہ کو ضعیف گمان کرنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

۴۔ اس کا وارد کرنا کب مستحسن سمجھا جاتا ہے؟

جب ایک نام میں دو یا زیادہ راوی مشترک ہوں اور موافق ہوں تو اس کی مثال بیان کرنا اس وقت مستحسن ہے جب وہ ایک زمانے کے ہوں اور بعض شیوخ میں مشترک ہوں یا شاگردوں میں' ورنہ جب مختلف زمانوں میں ہوں تو ان کے ناموں میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

ا المتفق والمفترق : خطیب بغدادی کی کتاب ہے جو بہت عمدہ اور جامع کتاب ہے۔

ب الانساب المتفقة : حافظ محمد بن طاہر متوفی ۵۰۷ھ کی کتاب ہے جو متفق کی ایک خاص نوع پر مشتمل ہے۔

۵۔ المُؤْتَلِفُ اور مُخْتَلِف

ا۔ تعریف :

لغوی : مُؤْتَلِفْ اِئتِلاَف سے اسم فاعل بمعنی اکٹھ اور ملاقات ہونا۔ یہ "نفرہ" کی ضد ہے اور مُخْتَلِفْ اِخْتَلاَف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو اتفاق کی ضد ہے۔

اصطلاحی : راویوں کے نام یا لقب یا کنیتیں یا نسب اور نسبتیں خط میں متفق ہوں اور تلفظ میں مختلف ہوں۔

۲۔ مثالیں :

ا سلام اور سلّام : پہلا نام لام کی تخفیف اور دوسرا لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

ب مِسْوَرْ اور مُسَوَّرْ : پہلا نام میم کی زیر' سین کے سکون (جزم) اور واؤ کی تخفیف کے ساتھ اور دوسرا میم کے پیش اور سین کی زبر اور واؤ کی تشدید (شد)

کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

ج البَزّازُ اور البَزّارُ : پہلے کے آخر میں زا ہے اور دوسرے کے آخر میں را ہے۔

د الثَّوری اور التوزی : پہلا ثا اور را کے ساتھ اور دوسرا تا اور زا کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

۳۔ ضابطہ یا قانون :

أ اکثر میں تو کوئی ضابطہ اور اصول نہیں ہے کیونکہ وہ عام ہیں صرف حفظ اور یاد کرنے سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ہر نام کو الگ یاد کیا جاتا ہے۔

ب بعض میں ضابطہ اور اصول موجود ہے اور ان کی دو قسمیں ہیں :

۱ وہ جن میں ایک خاص کتاب یا چند مخصوص کتابوں کے اعتبار سے ضابطہ ہے۔
مثال : صحیحین اور موطا میں جب یہ لفظ یسار واقع ہو تو اسے یسار یا اور سین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ سوائے محمد بن بشار کے کہ یہاں پر یہ لفظ بشار با اور شین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۲ وہ جن میں عام ضابطہ ہے یعنی کسی ایک کتاب یا مخصوص کتابوں کے لحاظ سے نہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ سلام ہر جگہ لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے گا سوائے پانچ موقعوں کے۔ پھر ان پانچ کو ذکر کر دیا جائے۔

۴۔ اہمیت اور فائدہ :

علم اسماء الرجال میں اس نوع کی پہچان ایک خاص اہمیت کی حامل ہے یہاں تک کہ علی بن مدینی فرماتے ہیں سب سے زیادہ تصحیف راویوں کے اسما اور ناموں میں واقع ہوتی ہے کیونکہ اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے' نہ ان کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (المنخبہ ص ۶۸)

اس کا فائدہ غلطی سے اجتناب اور خطا میں واقع نہ ہونے میں پوشیدہ ہے۔ یعنی اسما میں غلطی سے پرہیز میسر آتا ہے اور خطا میں واقع نہیں ہوا جا سکتا۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

المؤتلف والمختلف: عبدالغنی بن سعید کی تصنیف ہے۔

الاکمال : یہ ابن ماکولا کی تصنیف ہے جس پر حاشیہ اور تعلیق ابوبکر بن نقطہ کی ہے۔

۶۔ متشابہ

۱۔ تعریف :

لغوی : یہ تُشَابُہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی تماثیل ایک جیسا ہونا۔ یہاں متشابہ سے مُراد ملتبس (خلط ملط) ہے' اسی سے کہا جاتا ہے یہ قرآن میں متشابہ ہے یعنی اس کے معنی ملتبس ہیں۔ ممتاز نہیں ہیں۔

اصطلاحی : راویوں کے نام تلفظ اور خط میں متفق ہوں لیکن باپوں کے نام صرف تلفظ میں مختلف ہوں نہ کہ خط میں یا اس کے بر عکس ہو۔

۲۔ مثالیں :

۱ محمد بن عُقیل۔ عین کی پیش کے ساتھ اور مُحمّد بن عَقیل عین کے فتح کے ساتھ راویوں کے نام متفق ہیں جب کہ باپوں کے نام تلفظ اور بولنے میں مختلف ہیں۔

ب شریح بن النعمان اور سریج بن النعمان
راویوں کے نام مختلف ہیں جب کہ باپوں کے نام متفق ہیں۔

۳۔ فائدہ :

اس بحث کا فائدہ راویوں کے نام کے ضبط اور حفظ میں اور ان کے تلفظ میں التباس کے نہ ہونے اور تصحیف اور وہم میں واقع نہ ہونے میں پوشیدہ ہے۔

۴۔ متشابہ کی دوسری قسمیں :

متشابہ کی بعض اور بھی انواع موجود ہیں جن میں سے اہم اور ضروری کا بیان کرتا ہوں۔

۱ راوی کے نام اور باپ کے ناموں میں سوائے ایک حرف یا دو حرفوں کے اتفاق ہو۔ مثلاً مُحمّد بن حنین اور مُحمّد بن جبیر۔

ب راوی اور باپ کے نام میں خط اور تلفظ میں اتفاق ہو لیکن تقدیم و تاخیر میں اختلاف واقع ہو۔

۱ خواہ مکمل دونوں ناموں میں اختلاف ہو مثلاً الاسود بن یزید اور یزید بن الاسود۔

بعض علما نے اس قسم کا نام مشتبہ مقلوب رکھا ہے کیونکہ اس سے ذہن میں اشتباہ واقع ہوتا ہے جو کہ لکھنے میں نہیں ہوتا تو بسا اوقات بعض راویوں پر نام کا قلب ہو جاتا

ہے۔ اس بارے میں خطیب نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب" ہے۔

۲ یا بعض حروف میں اختلاف ہو مثلاً ایوب بن سیار اور ایوب بن یسار۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

ا "تلخیص المتشابہ فی الرسم وحمایۃ ما اشکل منہ عن بوادر التصحیف والوھم" خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

ب "تالی التلخیص" یہ بھی خطیب کی تصنیف ہے' یہ گزشتہ کتاب کا تتمہ یا حاشیہ اور تعلیق شمار کی جاتی ہے۔ یہ دونوں عمدہ اور بے نظیر کتابیں ہیں۔

۷۔ مہمل

۱۔ تعریف :

لغوی : اہمال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اہمال بمعنی ترک (چھوڑنا) ہے۔ گویا کہ راوی نام کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے کہ اسے غیر سے ممتاز کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اصطلاحی : راوی دو ایسے شخصوں سے روایت کرتا ہے جو صرف نام میں یا باپ وغیرہ کے نام میں بھی متفق ہوں' اور کوئی تمیز کرنے والی دلالت بھی نہیں ہوتی جو ہر ایک کو خاص کرے۔

۲۔ اہمال کب نقصان دیتا ہے؟

اگر ایک ثقہ ہو اور دوسرا شخص ضعیف ہو' کیونکہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہاں مروی عنہ کون ہے' بسا اوقات اسے ضعیف شمار کر کے حدیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن جب دونوں ثقہ ہوں تو پھر اہمال صحت حدیث میں کوئی نقصان پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ مروی عنہ کوئی بھی ہو حدیث صحیح ہوتی ہے۔

۳۔ مثال :

ا۔ جب دونوں ثقہ ہوں : صحیح بخاری میں واقع روایت جو امام بخاری نے احمد سے بیان کی ہے' اب احمد کو کسی طرف منسوب نہیں کیا' وہ ابن وھب سے بیان کرتے ہیں۔

احمد سے مُراد احمد بن صالح بھی ہو سکتا ہے اور احمد بن عیسیٰ بھی لیکن یہ دونوں ثقہ ہیں۔

ب۔ **جب ایک ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف** : سلیمان بن داوٗد اور سلیمان بن داوٗد اگر مُراد خولانی ہو تو ثقہ ہو گا لیکن اگر یمامی ہو تو ضعیف ہو گا۔

۴۔ **مہمل اور مبہم میں فرق** : ان میں فرق یہ ہے کہ مہمل کی صورت میں نام ذکر ہوتا ہے لیکن تعیین نہیں ہوتی جب کہ مبہم میں نام ہی ذکر نہیں ہوتا۔

۵۔ مشہور ترین تصنیف :

"المکمل فی بیان المھمل" خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

۸۔ مبہمات کی پہچان

ا۔ تعریف :

لغوی : مبہمات جمع ہے مبہم کی جو ابہام سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جو ایضاح کی ضد ہے۔

اصطلاحی : متن یا اسناد میں کسی راوی کا نام مبہم ہو یا جس کا روایت سے تعلق ہے اس کا نام مبہم ذکر ہو (بغیر تعیین کے ملتبس طور پر نام ذکر ہو)

۲۔ اس کی بحث کے فائدے :

ا۔ اگر ابہام سند میں ہو: راوی کی پہچان کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف تاکہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگایا جا سکے۔

ب۔ اگر ابہام متن میں ہو : اس وقت اس کے بہت سے فائدے ہیں' سب سے ظاہر اور معروف فائدہ یہ ہے کہ صاحب واقعہ یا سائل کی پہچان ہوتی ہے حتی کہ اگر حدیث میں اس کی کوئی فضیلت یا منقبت ذکر ہوتی ہے تو ہم اسے معلوم کر لیتے ہیں اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہو (یعنی اس کی مذمت ہو) تو اس کی پہچان سے اس کے علاوہ دوسرے فضیلت والے صحابہ کے متعلق سوءِ ظن سے بچا جا سکتا ہے۔

۳۔ **مبہم کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟** دو امور میں سے ایک کے ساتھ ہوتی ہے۔

أ دوسری روایات میں اس کا نام اور شخصیت کا ذکر وارد ہو۔

ب اہل سیر نص بیان کریں اور اس کی ذات کی صراحت کریں۔

۴۔ **قسمیں** : مبہم کو ابہام کی شدت اور عدم شدت کے اعتبار سے چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے' سب سے شدت ابہام والی قسم سے آغاز کرتا ہوں۔

(ا) رجل یا امرأۃ : جیسے ابن عباس والی حدیث ہے کہ ایک آدمی (رجل) نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ تو یہ سوال کرنے والا آدمی اقرع بن حابس ہے۔

(ب) ابن یا بنت : اسی سے اخ یا اخت اور ابن الاخ یا ابن الاخت اور بنت الاخ یا بنت الاخت کو ملحق کیا جاتا ہے۔ (یعنی جب سند یا متن میں مذکورہ لفظوں میں سے کسی لفظ کا مبہم طور پر ذکر ہو) جیسے ام عطیہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی بیٹی (بنت) کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا' یہاں بنت سے مراد نبی اکرم ﷺ کی بیٹی زینب مُراد ہیں۔

(ج) عم یا عمۃ : اسی کے ساتھ خال اور خالۃ اور ابن العم یا بنت العم' ابن العمۃ یا بنت العمۃ اور اور ابن الخال یا بنت الخال اور ابن الخالۃ یا بنت الخالۃ کو ملایا گیا ہے۔

(یعنی جب متن یا سند میں مذکورہ لفظوں میں کسی لفظ کا مبہم طور پر ذکر ہو) جیسے رافع بن خدیج کی حدیث مخابرہ کی حرمت میں ہے عن عمہ' ان کے عم (چچا) کا نام ظہیر بن رافع ہے اور جیسے جابر کی عمہ (پھوپھی) والی حدیث' جو ان کے باپ کے غزوہ احد کے دن شہید ہونے پر روئی تھیں۔ اب ان کی عمہ کا نام فاطمۃ بنت عمرو تھا۔

(د) زوج اور زوجہ : یعنی جب متن یا سند میں لفظ زوج یا زوجہ کا ذکر مبہم طور پر ہوتا ہے۔ جیسے بخاری و مسلم میں حدیث ہے سبیعہ کے زوج (خاوند) کی وفات سے متعلق' ان کے خاوند کا نام سعد بن خولہ تھا اور جیسے عبدالرحمٰن بن الزبیر کی زوجہ والی حدیث جو رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھیں' اس نے اسے طلاق دی تھی' اس زوجہ کا نام تمیمہ بنت

وھب تھا۔

۵۔ **مشہور ترین تصانیف :** اس قسم کے متعلق متعدد علما نے کتابیں لکھی ہیں جن میں سے عبدالغنی بن سعید خطیب اور نووی بھی ہیں۔ ان میں سے بہترین اور جامع کتاب "المستفاد من مبهمات المتن والاسناد" ہے جو ولی الدین العراقی کی تصنیف ہے۔

۹۔ وُحدان کی پہچان

۱۔ **تعریف :**

لغوی : وُحْدَانَ واوَ کی پیش کے ساتھ ہے۔ یہ واحد کی جمع ہے۔

اصطلاحی : وہ راوی جن سے آگے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہوتا ہے۔

۲۔ **فائدہ :** مجھول العین کی پہچان ہوتی ہے اور جب وہ صحابی نہ ہو تو اس کی روایت کو مردود قرار دیا جاتا ہے۔

۳۔ **مثالیں :**

ا۔ صحابہ میں : عروہ بن مضرس' ان سے روایت کرنے والے اکیلے شعبی ہیں اور المسیب بن حزن' ان سے روایت کرنے والے اکیلے ان کے بیٹے سعید ہیں۔

ب۔ تابعین میں : ابوالعشراء ان سے بیان کرنے والے اکیلے حماد بن سلمہ ہیں۔

۴۔ **کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں وحدان سے روایات نقل کی ہیں؟**

ا امام حاکم نے المدخل میں ذکر کیا ہے کہ شیخان نے اس نوع کی کوئی روایت نقل نہیں کی۔

ب لیکن جمہور محدثین کے نزدیک صحیح بخاری میں صحابہ میں سے وحدان کی بکثرت احادیث موجود ہیں۔

ا حضرت مسیب کی حدیث جو ابو طالب کی وفات سے متعلق ہے بخاری اور مسلم

نے اسے بیان کیا ہے۔

۲ قیس بن ابی حازم کی حدیث جو وہ مرداس اسلمی سے بیان کرتے ہیں۔
قدیم سلف صالح کے نزدیک مرداس سے بیان کرنے والا اکیلا راوی قیس ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں اور اس کی حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

۵۔ **مشہور ترین تصنیف** : " المنفردات والوحدان " امام مسلم کی کتاب ہے۔

۱۰۔ ان راویوں کی پہچان جنہیں کئی ناموں یا مختلف صفتوں سے یاد کیا جاتا ہے

۱۔ **تعریف** : وہ راوی جسے مختلف ناموں یا لقبوں یا کنیتوں سے ذکر کیا جاتا ہو خواہ وہ ایک آدمی کی طرف سے ہوں یا جماعت کی طرف سے۔

۲۔ **مثال** : مُحمد بن السائب الکلبی۔ بعض نے اس کا نام ابوالنضر اور بعض نے حماد بن السائب اور بعض نے ابو سعید ذکر کیا ہے۔

۳۔ **فائدے** : (ا) ایک شخص کے ناموں میں التباس نہیں رہتا اور اس کے متعلق متعدد شخصیات ہونے کا گمان نہیں رہتا۔
(ب) تدلیس شیوخ کا بیان اور کشف سامنے آتا ہے۔

۴۔ **خطیب کا اپنے شیوخ کے بارے میں اس چیز کا کثرت سے استعمال کرنا** : خطیب اپنی کتابوں میں اس طرح روایت کرتے ہیں مثلاً ابوالقاسم الازھری سے اور عبیداللہ بن ابی الفتح الفارسی سے اور عبیداللہ بن احمد بن عثمان الصیرفی سے روایت کرتے ہیں جب کہ یہ ایک ہی راوی ہے۔

۵۔ **مشہور ترین تصانیف** :

ا ایضاح الاشکال حافظ عبدالغنی بن سعید کی تصنیف ہے۔

ب موضح اوھام الجمع والتفریق" خطیب بغدادی کی تصنیف ہے۔

۱۱۔ ناموں، کنیتوں اور لقبوں میں سے مفردات کی پہچان

۱۔ **مفردات سے مُراد :** صحابہ کرام یا عام راویوں یا کسی عالم کا ایک نام یا ایک کنیت یا لقب ہو جس میں کوئی اور راوی یا عالم شریک نہ ہو۔ عام طور پر یہ مفردات غریب اور نادر نام ہوتے ہیں جن کا تلفظ مشکل ہوتا ہے۔

۲۔ **فائدہ :** ان مفرد ناموں میں تصحیف اور تحریف واقع ہونے سے حفاظت ہوتی ہے۔

۳۔ **مثالیں :**

(ا) اسماء :

صحابہ کرام میں : احمد بن عجیان بروزن سفیان یا علیان اور سندر بروزن جعفر۔

غیر صحابہ میں : اوسط بن عمرو، ضریب بن نقیر بن سمیر۔

(ب) کنی :

(ا) صحابہ میں : ابوالحمراء۔ رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام اور اس کا نام ھلال بن الحارث ہے۔

(۲) غیر صحابہ میں : ابوالعبیدین اس کا نام معاویہ بن سبرہ ہے۔

(ج) الالقاب :

(ا) صحابہ میں : سفینۃ رسول اللہ ﷺ کے آزادہ کردہ غلام ان کا نام مہران ہے۔

(۲) غیر صحابہ میں : مندل اور ان کا نام عمرو بن علی العنزی الکوفی ہے۔

۴۔ **مشہور ترین تصانیف :** اس نوع میں الگ تصنیف کرنے والے احمد بن ھارون البردیجی ہیں۔ اس کتاب کا نام انہوں نے الاسماء المفردہ رکھا۔ راویوں کے سوانح میں لکھی گئی کتابوں کے آخر میں اس سے متعلق بہت سی معلومات موجود ہیں جیسے حافظ ابن حجر کی کتاب "تقریب التھذیب" ہے۔

۱۲۔ ان کے ناموں کی پہچان جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں

۱۔ **اس بحث سے مُراد** : اس بحث سے مُراد یہ ہے کہ ہم ان راویوں کے ناموں کی تفتیش اور تلاش کریں جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں تا کہ ہر ایک کا غیر معروف نام ہمیں معلوم ہو جائے۔

۲۔ **فائدے** : اس بحث کی پہچان کا فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص کو دو خیال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بسا اوقات ایک دفعہ غیر مشہور نام سے ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر اپنی مشہور کنیت سے ذکر کیا جائے تو ناواقف پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے دو شخص خیال کرتا ہے' حالانکہ وہ ایک ہوتا ہے۔

۳۔ **اس بارے میں تصنیف کا طریقہ** : کنیتوں کے بارے میں لکھنے والا اپنی تصنیف میں کنیتوں کو حروف تہجی پر ترتیب دیتا ہے' پھر ہر کنیت والے کا نام ذکر کرتا ہے مثلاً ہمزہ کے عنوان میں ابو اسحاق کا ذکر کرتا ہے تو پھر سامنے اس کا نام ذکر کرے گا اور باء کے باب میں ابو بسر کو ذکر کر کے اس کا نام بیان کرے گا۔ علی هذا القیاس

۴۔ **کنیتوں والوں کی قسمیں اور مثالیں** :

(ا) جس کی کنیت ہی اس کا نام ہوتا ہے : اس کے علاوہ اور نام نہیں ہوتا جیسے ابو بلال اشعری ہے' اس کا نام بھی اور کنیت بھی یہی ہے۔

(ب) جو اپنی کنیت سے مشہور ہوتا ہے : یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی نام بھی ہے کہ نہیں جیسے ابو اناس صحابی ہیں۔

(ج) جو کنیت کے ساتھ لقب دیا گیا ہو : اور اس کا ایک نام بھی ہو اور دوسری کنیت بھی۔ جیسے ابو تراب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا لقب ہے اور ان کی کنیت ابو الحسن ہے۔

(د) جس کی دو یا زیادہ کنیتیں ہوں : جیسے ابن جریج کہ ان کی دو کنیتیں ابوالولید اور ابو خالد ہیں۔

(ھ) جس کی کنیت میں اختلاف ہے : جیسے اُسامہ بن زید ایک قول ہے کہ ان کی کنیت ابو محمد ہے' دوسرا قول ہے کہ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے' تیسرا قول ہے کہ ان کی کنیت ابو خارجہ ہے۔

(و) جس کی کنیت معروف ہو اور نام میں اختلاف ہو : جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ ان کے نام کے بارے میں تیس قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔

(ز) جس کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہے : جیسے سفینہ ایک قول کے مطابق ان کا نام عمیر ہے' دوسرا قول ہے کہ ان کا نام صالح ہے اور تیسرا قول ہے کہ ان کا نام مہران ہے اور کنیت میں ایک قول ہے کہ ابو عبدالرحمٰن ہے' دوسرا قول ہے کہ ابوالبختری ہے۔

(ح) جو اپنی کنیت اور نام دونوں کے ساتھ برابر معروف اور مشہور ہے : جیسے سفیان ثوری' مالک' محمد بن ادریس شافعی اور احمد بن حنبل ہیں۔ تمام کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اور جیسے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہیں۔ (رحمھم اللہ)

(ط) جو اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہے باوجودیکہ نام بھی معروف ہے : جیسے ابو ادریس الخولانی ہیں' ان کا نام عائذ اللہ ہے۔

(ی) جو اپنے نام کے ساتھ مشہور ہے باوجودیکہ کنیت بھی معروف ہے : جیسے طلحہ بن عبیداللہ التیمی' عبدالرحمٰن بن عوف اور حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم۔ ان تمام کی کنیت ابو محمد ہے۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

کنیتوں کے متعلق علماء نے بہت سی تصانیف لکھی ہیں۔ ان مصنفین میں سے علی بن مدینی' امام مسلم اور امام نسائی بھی ہیں۔ ان طبع شدہ تصانیف میں سے زیادہ مشہور الکنی والاسماء ہے۔ یہ امام دولابی ابو بشر محمد بن احمد متوفی ۳۱۰ھ کی تصنیف ہے۔

۱۳۔ القاب کی پہچان

۱۔ **لغوی تعریف** : القاب لقب کی جمع ہے۔ لقب سے مراد ہے ہر وہ صفت جو موصوف کی رفعت اور بلندی یا حقارت اور پستی پر دلالت کرے یا اس کی مدح یا مذمت کا مفہوم دے۔

۲۔ **اس بحث کا مفہوم** : راویوں کی پہچان اور ان کے لقبوں کو ضبط میں لانے کے لیے راویوں اور محدثین کے لقبوں سے متعلق بحث اور چھان بین اور تفتیش کرنا۔

۳۔ **فائدہ** : القاب کو پہچاننے کا فائدہ دو امور پر مشتمل ہے۔

أ لقبوں کو نام خیال نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایک راوی جو ایک مرتبہ نام سے ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے مقام پر لقب سے' تو اسے ایک کی بجائے دو شخص شمار نہیں کیا جاتا۔

ب وہ سبب بھی معلوم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے راوی کو یہ لقب دیا گیا ہے تو لقب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس سے ظاہر معنی سے دھوکا نہیں کھایا جا سکتا۔

۴۔ **قسمیں** : القاب کی دو قسمیں ہیں :

أ جن کی نشر و اشاعت جائز نہیں۔ یہ وہ لقب ہیں جنہیں صاحب لقب نا پسند کرتے ہیں۔

ب جن کی نشر و اشاعت جائز ہے۔ یہ وہ لقب ہیں جنہیں صاحب لقب پسند کرتے ہیں۔

۵۔ مثالیں :

(ا) الضال : معاویہ بن عبدالکریم کا لقب ہے' انہیں یہ لقب اس لیے دیا گیا کہ یہ مکہ کے راستے میں گم ہو گئے تھے۔

(ب) الضعیف : عبداللہ بن محمد کا لقب ہے سبب یہ ہے کہ وہ جسم میں کمزور تھے نہ کہ حدیث میں۔ عبدالغنی بن سعید فرماتے ہیں' دو جلیل القدر آدمی ایسے ہیں جنہیں

برے اور قبیح لقب دیئے گئے ہیں (یعنی الضال اور الضعیف)

(ج) غندر : اہل حجاز کی لغت میں غندر کا معنی شور کرنے والا۔ یہ لقب محمدؒ بن جعفر بصری کا ہے جو کہ شاگرد ہیں۔ سبب یہ تھا کہ ابن جریج بصرہ میں تشریف لائے اور انہوں نے حسن بصری کے واسطے سے ایک حدیث بیان کی تو بصرہ والوں نے اس کا انکار کیا اور شور کیا۔ لیکن محمدؒ بن جعفر نے سب سے زیادہ شور کیا اور آواز بلند کی تو ابن جریج نے ان سے فرمایا "اسکت یا غندر" اے شور کرنے والے چپ ہو جا۔

(د) غنجار : یہ عیسٰی بن موسیٰ التیمی کا لقب ہے۔ سبب یہ ہے کہ ان کے رخسار سرخ تھے۔

(ھ) صاعقة : الحافظ محمدؒ بن ابراہیم کا لقب ہے' ان سے امام بخاری نے روایت کی ہے' سبب یہ ہے کہ وہ تیز حافظے والے اور شدید مذاکرہ کرنے والے تھے۔

مشکدانة : عبداللہ بن عمر اموی کا لقب ہے۔ فارسی زبان میں اس کے معنی ہیں کستوری کا ٹکڑا یا کستوری کا برتن۔

(ز) مطین : یہ ابو جعفر الحضرمی کا لقب ہے' سبب یہ ہے کہ وہ بچپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور وہ اس کی پیٹھ پر مٹی لیپ رہے تھے تو ابو نعیم نے ان سے فرمایا یا مطین (اے مٹی ملے ہوئے) تم علم کی مجلس میں حاضر کیوں نہیں ہوتے؟

۶۔ **مشہور ترین تصانیف** : متقدمین اور متاخرین علما کی ایک جماعت نے اس نوع کے متعلق تصنیف کی ہے' ان کتابوں میں سے سب سے بہتر اور مختصر کتاب "نزھة الالباب" ہے جو کہ حافظ ابن حجر کی تصنیف ہے۔

("کشف النقاب عن الالقاب" سیوطی کی ہے۔ "منتھی الکمال فی معرفة القاب الرجال" ابوفضل بن ملکی کی تصنیف ہے۔ "کشف النقاب عن الاسماء والالقاب" ابن جوزی کی ہے۔ "انساب الاسماء ابو محمدؒ عبدالغنی بن سعید ازدی مصری کی تصنیف ہے۔ مترجم)

۱۴۔ ان کی پہچان جو اپنے آباء کے سوا کسی اور کی طرف منسوب ہیں

۱۔ **اس بحث سے مراد** : اس کی پہچان کرنا جو راوی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہے' خواہ وہ رشتہ دار ہو جیسے ماں اور دادا یا اجنبی ہو جیسے مربی اور کفیل ہے۔ پھر اس کے اپنے باپ کی پہچان کرنا۔

۲۔ **فائدہ** : جب ایسے راویوں کی نسبت اپنے اصلی باپوں کی طرف ہو تو جو متعدد ہونے کا وہم واقع ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔

۳۔ **قسمیں اور مثالیں** :

(ا) **جو اپنی ماں کی طرف منسوب ہیں** : مثلاً معاذ' معوذ اور عوذ عفرا کے بیٹے ہیں۔ جب کہ ان کا باپ الحارث تھا اور بلال بن حمامہ' ان کے باپ کا نام رباح تھا اور محمد بن حنفیہ' ان کے باپ کا نام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے۔

(ب) **جو اپنی دادی کی طرف منسوب ہیں** : خواہ وہ قریبی ہو یا دور کی۔ مثلاً یعلیٰ بن منیہ' منیہ ان کے باپ کی ماں کا نام ہے جب کہ ان کا باپ امیہ ہے۔ بشیر بن خصاصیہ۔ یہ خصاصیہ تیسری پشت میں دادی ہے جب کہ ان کا باپ معبد تھا۔

(ج) **جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں** : مثلاً ابو عبیدہ بن الجراح کہ ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح ہے' اور احمد بن حنبل کہ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے احمد بن محمد بن حنبل۔

(د) **جو کسی سبب سے اجنبی کی طرف منسوب ہیں** : مثلاً مقداد بن عمرو الکندی۔ انہیں مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے الاسود بن عبد یغوث کی گود میں پرورش پائی تو اس نے اسے متبنیٰ بنالیا تھا۔

۴۔ **مشہور ترین تصانیف** : اس عنوان کے تحت مخصوص تصانیف مجھے معلوم

نہیں لیکن راویوں کی سوانح کی عام کتب میں ہر راوی کا نسب نامہ بھی ذکر ہے' خاص کر بڑی اور ضخیم کتب۔

۱۵۔ ان نسبتوں کی پہچان جو اپنے ظاہر (معنی) کے خلاف ہیں

۱۔ تمہید : بہت سے ایسے راوی موجود ہیں جو کسی جگہ یا غزوہ یا قبیلہ یا پیشہ کی طرف منسوب ہیں لیکن ذہن کی طرف جو ظاہر مفہوم لوٹتا ہے وہ ان نسبتوں سے مُراد نہیں۔ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ کسی خاص مقصد اور سبب کے پیش آنے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں مثلاً وہ اس جگہ میں ٹھرے یا اس پیشہ کے لوگوں کی مجلس اختیار کی۔

۲۔ فائدہ : اس بحث کا فائدہ یہ ہے کہ یہ پہچان ہوتی ہے کہ ان نسبتوں سے حقیقت مُراد نہیں بلکہ کسی عارضہ کی وجہ سے اس طرف منسوب ہیں' پھر ان عارضوں اور نسبتوں کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

۳۔ مثالیں :

(ا) ابو مسعود البدری : یہ غزدہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے بلکہ بدر کے میدان میں اترے اور ٹھہرے رہے اس لیے اس کی طرف منسوب ہوئے۔

(ب) یزید الفقیر : یہ محتاج اور فقیر نہیں تھے بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں زخمی ہوئے تھے چونکہ عربی میں ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہا جاتا ہے اس لیے وہ فقیر کہلائے۔

(ج) خالد الحذاء : یہ موچی نہیں تھے بلکہ موچیوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے تو اس پیشہ کی طرف منسوب ہوئے۔

۴۔ مشہور ترین تصانیف :

"الانساب" امام سمعانی کی کتاب ہے۔ ابن الاثیر نے اس کی تلخیص لکھی جس کا نام "اللباب فی تھذیب الانساب" رکھا' پھر اس ملخص کی تلخیص امام سیوطی نے

لکھی' اس کا نام انہوں نے "لب اللباب" رکھا۔

۱۶۔ راویوں کی تاریخوں کی پہچان

۱۔ تعریف :

لغوی تعریف : تواریخ جمع ہے تاریخ کی۔ یہ ارخ سے مصدر ہے' ہمزہ کو سہل پڑھا گیا ہے۔ (یعنی الف سے بدل کر پڑھا گیا ہے' ہمزہ کی ادائیگی میں جو زبان کو جھٹکا دینا ہوتا ہے وہ نہیں دیا جاتا)

اصطلاحی : اس وقت کی پہچان اور تعیین جس کے ذریعے سے راویوں کی پیدائش اور وفات اور زندگی کے واقعات وغیرہ جیسے حالات محفوظ اور منضبط کیے جاتے ہیں۔

۲۔ اس مقام پہ مُراد اور مفہوم : اس فن میں تواریخ سے مُراد راویوں کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے ساتھ ساتھ ان کے اپنے شیوخ سے سماع کے وقت اور بعض ممالک میں ان کے آنے کے زمانے کی معرفت ہے۔

۳۔ اہمیت اور فائدہ : یہ ایک اہمیت والا فن ہے' سفیان ثوری فرماتے ہیں جب راویوں نے جھوٹ کا استعمال کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کا اثبات اور استعمال کیا۔ اس کے فائدوں میں ایک یہ ہے کہ متصل اور منقطع اسناد کی پہچان ہوتی ہے۔

بسا اوقات ایک قوم نے کسی قوم سے روایت لینے کا دعویٰ کیا' جب تاریخ روایت کو دیکھا گیا تو ظاہر ہوا کہ یہ تاریخ اس مروی عنہ قوم کی سن وفات کے بعد کی ہے۔

۴۔ مثالیں :

(ا) ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپ کے دو ساتھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی عمر میں صحیح قول یہ ہے کہ ان کی عمریں تریسٹھ (۶۳) سال ہیں۔

1 رسول اللہ ﷺ سوموار کو چاشت کے وقت بارہ (۱۲) ربیع الاول گیارہ ہجری کو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

۲ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمادی الاولیٰ میں تیرہ (۱۳) ہجری کو وفات پائی۔

۳ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ میں تیئس (۲۳) ہجری کو جام شہادت نوش فرمایا۔

۴ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ پینتیس (۳۵) ہجری کو مظلومانہ شہادت پائی۔ اور ان کی عمر بیاسی (۸۲) سال تھی' ایک اور قول کے مطابق نوے (۹۰) سال تھی۔

۵ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک چالیس (۴۰) ہجری کو شہادت فرمائی۔ ان کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔

(ب) دو صحابی جنہوں نے ساٹھ سال کی عمر جاہلیت میں گزاری اور ساٹھ سال اسلام کی حالت میں گزارے اور دونوں مدینہ میں ۵۴ ہجری میں فوت ہوئے۔ (۱) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (۲) حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

(ج) وہ ائمہ جن کے مذاہب کی پیروی کی گئی ہے :

	سن پیدائش	سن وفات
(۱) نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) رحمہ اللہ	۸۰ھ	۱۵۰ھ
(۲) مالک بن انس رحمہ اللہ	۹۳ھ	۱۷۰ھ
(۳) محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
(۴) احمد بن حنبل رحمہ اللہ	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
(د) حدیث کی معتمد کتابوں کے مؤلفین		
(۱) محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
(۲) مسلم بن الحجاج نیشاپوری رحمہ اللہ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
(۳) ابوداؤد السجستانی رحمہ اللہ	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
(۴) ابو عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
(۵) احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ	۲۱۴ھ	۳۰۳ھ
(۶) ابن ماجہ القزوینی رحمہ اللہ	۲۰۷ھ	۲۷۵ھ

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

ا "الوفیات" یہ ابن زبیر محمد بن عبیداللہ ربعی دمشقی کی تصنیف ہے۔ ۳۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ یہ تصنیف سالوں کی ترتیب پر ہے۔

ب مذکورہ پہلی کتاب کے حواشی 'کتانی کا' اکفانی کا اور عراقی کا۔

۱۷۔ مختلط ثقہ راویوں کی پہچان

۱۔ اختلاط کی تعریف :

لغوی : اِختَلاَط کے معنی ہیں عقل کا خراب ہونا۔ کہا جاتا ہے "اِختَلَطَ فُلاَنٌ" یعنی اس کی عقل فساد پذیر ہو گئی یہی قاموس میں لکھا ہے۔

اصطلاحی : بڑھاپے یا نابینا ہونے یا کتابوں کے جل جانے وغیرہ کے سبب سے عقل کا فاسد اور خراب ہونا یا راوی کے اقوال کا نظم اور ترتیب و تہذیب درہم برہم ہو جائے۔

۲۔ مُختَلَطِین کی قسمیں :

ا جو بڑھاپے کی وجہ سے مختلط ہوا : جیسے عطا بن السائب الثقفی الکوفی تھے۔

ب جو نگاہ کے چلے جانے کے سبب سے مختلط ہوا : جیسے عبدالرزاق بن ہمام الصغانی ہیں۔ یہ نابینا ہونے کے بعد لقمہ دیے جاتے تھے تو وہ اسے قبول کر لیتے تھے۔

ج جو دوسرے اسباب کی وجہ سے مختلط : جیسے کتابیں جلنا مثلاً عبداللہ بن لھیعہ المصری ہے۔

۳۔ مختلط کی روایت کا حکم :

ا جو اختلاط سے پہلے کی ہیں وہ قبول کی جائیں گی۔

ب جو اختلاط کے بعد کی ہیں وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔

ایسے ہی جن کے بارے میں شک ہو کہ یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی' وہ بھی مقبول نہیں ہوں گی۔

۴۔ اہمیت اور فائدہ :

یہ ایک بہت ہی اہمیت والا فن ہے' اس کا فائدہ ثقہ راوی کی اختلاط کے بعد بیان کردہ مردود اور غیر مقبول روایات کی تمیز اور الگ کرنے میں پوشیدہ ہے۔

۵۔ کیا بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ان ثقہ راویوں سے روایات نقل کی ہیں جن کو اختلاط لاحق ہوا ہے :

ہاں امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں ان ثقہ راویوں سے روایات نقل کی ہیں جن کو اختلاط لاحق ہوا ہے لیکن وہ روایات جو کہ اختلاط سے پہلے کی ہیں۔

٦۔ مشہور ترین تصانیف :

اس بارے میں علما کی ایک بڑی تعداد نے تصنیف کی ہے جیسے علائی اور حازمی ہیں' ان کتابوں میں سے ایک کتاب "الاغتباط بمن رمی بالاختلاط" یہ حافظ ابراہیم بن محمد ابن العجمی متوفی ۸۴۱ ہجری کی تصنیف ہے۔

۱۸۔ علما اور راویوں کے طبقوں کی پہچان

۱۔ طبقہ کی تعریف :

لغوی : وہ قوم جو ایک دوسرے کے مشابہ ہو۔

اصطلاحی : جو قوم یا جماعت رواۃ عمر اور اسناد میں یا صرف اسناد میں متقارب اور مشابہ ہوں۔ (تدریب الراوی ج ۲ ص ۳۸۱)

اسناد میں متقارب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایک کے استاد دوسرے کے استاد ہوں یا اس کے اساتذہ کے قریب ہوں۔

۲۔ فائدے :

أ اس کی پہچان کا ایک فائدہ اسم یا کنیت وغیرہ میں متشابہ راویوں میں تداخل اور التباس کرنے سے امن حاصل ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات دو اسم ایک لفظ میں متفق ہو جاتے ہیں تو دونوں کو ایک خیال کیا جاتا ہے۔ طبقات کی معرفت کی وجہ سے ان تمیز جاتی ہے اور فرق کیا جا سکتا ہے۔

ب عنعنہ سے حقیقی مُراد پر واقفیت ہوتی ہے۔

۳۔ بسا اوقات دو راوی ایک اعتبار سے ایک طبقے میں اور دوسرے

اعتبار سے دو طبقوں میں شمار ہوتے ہیں :

جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصاغر صحابہ کرام ہیں تو یہ عشرہ مبشرہ کے ساتھ ایک طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں اس اعتبار سے کہ یہ صحابہ کرام ہیں' یعنی اس طرح تمام صحابہ کرام ایک ہی طبقہ ہیں۔

لیکن قبولیت اسلام میں سبقت کے اعتبار سے صحابہ کرام کے دس سے زیادہ طبقے ہیں جیسا کہ صحابہ کی پہچان کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے۔ انس بن مالک اور ان کے مشابہ اصحاب عشرہ مبشرہ کے طبقے میں شمار نہیں ہوں گے۔

۴۔ اس میں غور کرنے والے پر کیا ضروری ہے؟

طبقات کے علم میں غور و فکر کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ راویوں کے سن پیدائش اور وفات کو جانتا ہو' اور ان کے شیوخ اور شاگردوں سے بھی باخبر ہو۔

۵۔ مشہور ترین تصانیف :

أ "الطبقات الکبری" ابن سعد کی تصنیف ہے۔

ب "طبقات القراء" ابو عمرو الدانی کی تصنیف ہے۔

ج "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" عبدالوہاب السبکی کی تصنیف ہے۔

د "تذکرہ الحفاظ" امام ذہبی کی تصنیف ہے۔

۱۹۔ راویوں اور علما میں سے موالی کی پہچان

۱۔ موالی کی تعریف :

لغوی : اَلْمَوَالِي مَوْلٰی کی جمع ہے' مَوْلٰی متضاد المفہوم الفاظ میں سے ہے۔ اس کا اطلاق مالک اور غلام اور آزاد کرنے والے اور آزاد کردہ سب پر ہوتا ہے۔

اصطلاحی : وہ شخص جو عہد و پیمان اور معاہدہ کیا گیا ہو یا جو آزاد کردہ غلام ہو یا جو کسی غیر کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو۔

۲۔ موالی کی قسمیں : موالی کی تین انواع ہیں :

أ "مولی الحلف" جیسے امام مالک بن انس اصبحی التیمی ہیں۔ یہ اصبحی نسلی طور پر ہیں

یعنی اصبح قوم میں سے ہیں لیکن تیمی عہد و پیمان کے ولا کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی قوم اصبح نے قریش کی شاخ التیم کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا (ان کے حلیف بنے تھے)

ب "مولٰی العتاقہ" جیسے ابوالبختری الطائی التابعی ہیں۔ ان کا نام سعید بن فیروز ہے۔ یہ طیئی قبیلے کے آزاد کردہ غلام ہیں کیونکہ ان کا آقا اور سردار طیئی قبیلے کا تھا' اس نے اسے آزاد کر دیا تھا۔

ج مولٰی الاسلام : محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ہیں کیونکہ ان کا دادا مغیرہ مجوسی تھا۔ وہ الیمان بن اخنس الجعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا تھا' اس لیے تو انہیں اس کی طرف منسوب کیا گیا۔

۳۔ **فائدے :** التباس سے امن ملتا ہے۔ کسی قبیلے کی طرف نسبت کی وجہ (نسب یا ولاء) معلوم ہوتی ہے۔ اسی سے اس راوی کی جو کسی قبیلے کی طرف ولا کے طور پر منسوب ہوتا ہے کہ اسی نام کے اس راوی سے تمیز ہو جاتی ہے جو اس قبیلے کی طرف نسبی طور پر منسوب ہوتا ہے۔

۴۔ مشہور ترین تصانیف :

اس بارے میں صرف مصر کی نسبت سے ابو عمر الکندی نے تصنیف کی ہے۔

۲۰۔ ثقہ اور ضعیف راویوں کی پہچان

۱۔ ثقہ اور ضعیف کی تعریف :

لغوی : ثِقَةٌ کا لغوی مفہوم ہے امین اور ضعیف قوی اور طاقتور کی ضد ہے اور ضعف حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی۔

اصطلاحی : ثقہ' عادل اور ضابطہ راوی۔

ضعیف : یہ عام نام ہے جو ہر اس راوی کو شامل ہے جس کے ضبط یا عدالت میں عیب ہے۔

۲۔ **اہمیت اور فائدہ :** حدیث کے علوم میں سے یہ ایک عظیم اور جلیل القدر قسم ہے کیونکہ اسی کے واسطے سے صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان ہوتی ہے۔

۳۔ **مشہور ترین تصانیف اور ان کی قسمیں :**

(ا) **جو صرف ثقہ راویوں سے متعلق ہیں :** جیسے "الثقات" یہ ابن حبان کی کتاب ہے' اور "الثقات" عجلی کی کتاب ہے۔

(ب) **جو صرف ضعیف راویوں سے متعلق ہیں :** یہ بہت زیادہ ہیں مثلاً "الضعفاء" بخاری کی' نسائی کی' عقیلی کی اور دار قطنی کی۔ "الکامل فی الضعفاء" ہے جو ابن عدی کی ہے اور "المغنی فی الضعفاء" ہے جو امام ذہبی کی تصنیف ہے۔

(ج) **ثقہ اور ضعیف راویوں میں مشترک تصانیف :** یہ بھی بہت زیادہ ہیں "تاریخ الکبیر" بخاری کی ہے "الجرح والتعدیل" ابن ابی حاتم کی ہے۔

یہ کتابیں عام راویوں سے متعلق ہیں اور بعض حدیث کی کسی خاص کتاب سے متعلق ہیں جیسے "الکمال فی اسماء الرجال" عبدالغنی المقدسی کی ہے' پھر اس کی متعدد تہذیبات لکھی گئی ہیں جیسے مزی' ذہبی' ابن حجر اور خزرجی کی ہیں۔

۲۱۔ راویوں کے وطنوں اور شہروں کی پہچان

۱۔ **اس بحث کا مفہوم :** اوطان جمع ہے وطن کی۔ اس سے مُراد وہ صوبہ یا علاقہ ہے جس میں کوئی شخص پیدا ہوا ہو یا رہائش پذیر ہوا ہو۔ اور بلدان جمع ہے بلد کی' اس سے مُراد شہر یا بستی ہے جس میں کوئی شخص پیدا ہوا یا رہائش پذیر ہوا۔

اس بحث سے مُراد راویوں کے صوبوں اور ان شہروں کی پہچان ہے جن میں وہ پیدا ہوئے یا جن میں سکونت اختیار کی۔

۲۔ **فائدے :** ایک لفظ میں متفق دو اسموں اور ناموں میں تمیز ہوتی ہے جب کہ وہ مختلف شہروں کے ہوں' یہی وہ علم ہے جس کی حفاظ حدیث کو اپنے تصرفات اور بحث و تکرار اور تصنیفات میں ضرورت رہی ہے۔

۳۔ اہل عرب و اہل عجم کس کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے؟

ا قدیم عرب لوگ اپنے قبیلوں کی طرف منسوب ہوتے تھے کیونکہ ان کی اکثریت خانہ بدوش تھی۔ اس لیے ان کا اپنے قبیلے سے ربط زمین کی نسبت زیادہ پختہ تھا۔ جب اسلام آیا تو ان پر شہروں اور دیہاتوں کی رہائش غالب آئی تو یہ اپنے شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب ہونے لگے۔

ب عجمی قدیم زمانوں ہی سے اپنی بستیوں اور شہروں کی طرف منسوب ہوتے تھے۔

۴۔ جو اپنے شہر سے منتقل ہو جائے وہ کیسے منسوب ہو گا؟

(ا) جب دونوں بستیوں کو جمع کرتا ہے تو آغاز پہلے شہر کے ساتھ کرے' پھر اس شہر کا نام لے جس کی طرف منتقل ہوا ہے' بہتر یہ ہے کہ دوسرے پر حرف ثم داخل کرے مثلاً جو حلب میں پیدا ہوا پھر مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہوا تو وہ یوں کہے گا۔ "فلان الحلبی ثم المدنی" فلاں حلبی ہے پھر مدنی۔ اسی طرح اکثر لوگوں کا عمل ہے۔

۵۔ جو شہر کے ماتحت اور تابع کسی بستی میں رہتا ہو وہ کیسے منسوب ہو گا؟

ا جائز ہے کہ وہ اس بستی کی طرف منسوب ہو۔

۲ یہ بھی جائز ہے کہ اس شہر کی طرف منسوب ہو کہ اس کی بستی جس کے تابع ہے۔

۳ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس علاقے ضلع یا ملک کی طرف منسوب ہو جس سے اس شہر کا تعلق ہے۔

مثال : ایک شخص الباب سے تعلق رکھتا ہے اور یہ حلب شہر کے ماتحت ہے اور حلب الشام سے متعلق ہے تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی نسبت میں یوں کہے فلاں البابی یا فلان الحلبی یا فلاں الشامی

۶۔ کسی جگہ کی طرف نسبت کے صحیح ہونے کے لیے اس میں کتنی مدت قیام کرنا ضروری ہے؟

چار سال اور یہی عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔

۷۔ **مشہور ترین تصانیف :**

ا امام سمعانی کی کتاب الانساب جس کا ذکر گذر چکا ہے کو بھی اس بحث کی تصانیف میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ راویوں کی ان کے وطنوں وغیرہ کی طرف نسبت کو ذکر کرتے ہیں۔

ب راویوں کے صوبوں اور شہروں کے ذکر کے مقامات میں سے ایک "الطبقات الکبریٰ" ابن سعد کی کتاب ہے۔

یہ اس کتاب میں آخری بحث ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے راہنما اور نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب پر رحمتیں نازل فرمائے اور تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کے لیے ہیں۔